فتنۂ پرویز
و
حقیقتِ حدیث
ایم۔ عبدالرحمن خان
ناشر:-
ایم۔ ثنا اللہ خان۔ ۳۶ ریلوے روڈ ۰ لاہور

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

حقیقتِ حدیث

اشتراکیوں کے شعبۂ اسلامیات (طلوعِ اسلام) پر ایک نظر

مُصنّفہ

منشی عبدالرحمٰن خان

چہلیک ملتان شہر

ناشر

ایم ثناء اللہ خان ۔ ۲۶ ۔ ریلوے روڈ لاہور

اگست ۱۹۵۲ء

نقشِ اوّل ایک ہزار

قیمت تین روپے

طابع:- انشا پریس لاہور

ناشر:- ایم ثناء اللہ خاں - ۲۶ ریلوے روڈ لاہور

۷۸۶
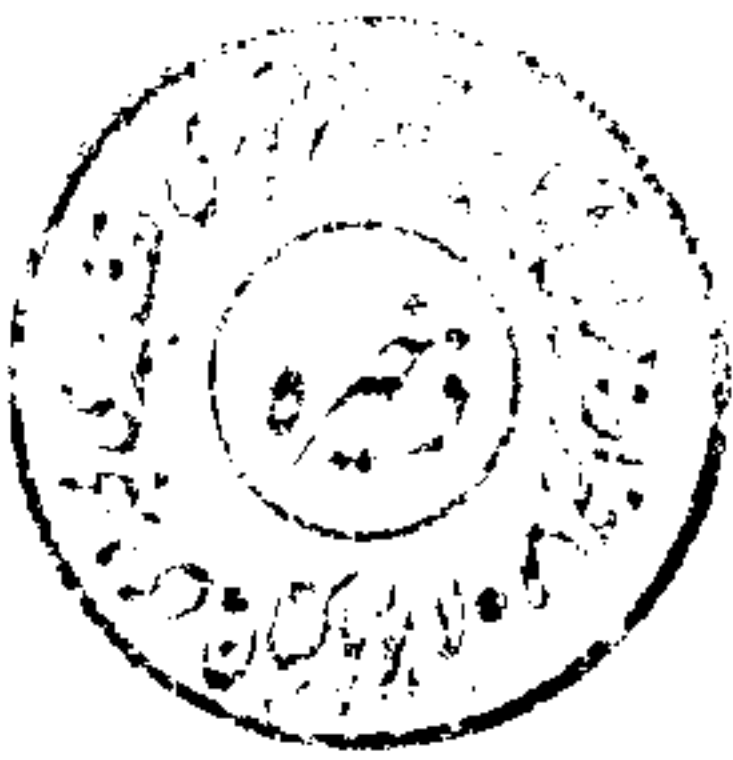
پیشکش

بحضور سرکارِ دوجہاں نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم

حق تعالیٰ جل شانہ کی دی ہوئی توفیق سے تصنیف شدہ "حقیقتِ حدیث"

کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ نبوت میں پیش کرنے کی

سعادت حاصل کرتا ہوں جن کے اقوال و احوال (سرمایۂ حدیث)

کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کے لئے اشتراکیت کا شعبۂ اسلامیات

(ادارہ طلوعِ اسلام) شب و روز کوشاں ہے۔

عبدالرحمٰن خان

مصنف "حقیقت حدیث" کی دوسری مقبول تالیفات

قرآنی اور تاریخی لٹریچر کی اہم کتابیں

تعارفِ قرآنی اس میں خود قرآن کی زبانی اس کے نام، کلام اور پیغام سے دنیا کو آسان اور عام فہم انداز میں اس طرح متعارف کرایا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں فوراً اس کا ایک بہترین خاکہ آجاتا ہے قیمت عاہر

بصائرِ قرآنی اس میں کلام پاک کے اقوال و امثال اور ترغیبات و ترہیبات کو آسان دلچسپ اور تدریجی طریقہ سے جمع کر کے قرآن کے جمالِ جہاں آرا سے دنیا کو روشناس کرایا گیا ہے۔ قیمت عاہر

احکامِ قرآنی اس میں قرآن پاک کے ایسے احکام کو اختصار و خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو ایک انسان کے لئے دستورِ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن پر مساوات، معاملات، معاشرت، سیاست اور تمدن کی بنیاد رکھی گئی۔ عہ

داستانِ عمل یہ انسانیت کیلئے ایک عملی پروگرام پیش کرتی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر لٹیرے پاسبان اور قاتل محافظ بن گئے۔ اس میں اسلاف کے اعلیٰ سیرت و کردار کے نادر نمونے ایسے دلچسپ انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ انہیں بار بار پڑھنے سے بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی اور نہ ہی انسان ان سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا ہے۔ عہ

اخلاق و آداب اس میں مہد سے لحد تک کے اصول و آداب زندگی درج ہیں جو انسان کو شاعرانہ، عامیانہ، رسمیانہ، متکبرانہ، منافقانہ رسوم و آداب سے بچا کر پیغمبرانہ آداب و اخلاق اور متواضعانہ و منکسرانہ حدود و رسوم پر لگاتے ہیں۔ قیمت ۸ر

ناشر

مصنف حقیقتِ حدیث کی نئی پیش کش

مشاہدات وواردات

اس میں نہایت ہی اچھوتے انداز سے عصر حاضر کے اہم ملکی وملی مسائل اور قومی رہنماؤں اور جماعتوں کے قول وکردار پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ علم ومعرفت اور دین ودانش کے رموز ونکات بھی واضح ہوگئے ہیں۔ اسکی مندرجہ ذیل فہرستِ مضامین سے ہی ظاہر ہے کہ یہ کس قدر ضروری اور مفید کتاب ہے۔

۱۔ اولیاء اللہ کی معرفت ۔ ۲۔ سکونِ قلب کی تلاش ۔ ۳۔ انتخاب مرشد ۔ ۴۔ روحانیت کی فتح ۔ ۵۔ عذابِ قبر کی ابتداء ۔ ۶۔ الکلمۃ الطیب ۔ ۷۔ اقبال اپنی نظر میں ۔ ۸۔ قائداعظم کی نماز ۔ ۹۔ قائداعظمؒ کے نام ۔ ۱۰۔ قائداعظمؒ کا مقام ۔ ۱۱۔ فتنۂ تصویر ۔ ۱۲۔ شیطان اور ملتان ۔ ۱۳۔ فرودگاہ محمد بن قاسمؒ ۔ ۱۴۔ دارالحکومت پاکستان ۔ ۱۵۔ علماء حق اور ارباب مسلم لیگ ۔ ۱۶۔ انگریزی نظامِ حکومت وعدالت ۔ ۱۷۔ اربابِ اقتدار کا اخلاق ۔ ۱۸۔ کمیونسٹوں کی جنت ۔ ۱۹۔ پرویز کا اسلام ۔ ۲۰۔ مولانا مودودی کا اجتہاد ۲۱۔ مسلمان کدھر جائیں۔

اس میں اہم تاریخی حقائق اور دستاویزات پہلی مرتبہ منظرِ عام پر لائی گئی ہے۔ اور حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بعض ایسے گوشے بے نقاب کیئے گئے ہیں جن پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا تھا۔

کاغذ کی قلت کے پیشِ نظر یہ کتاب محدود تعداد میں چھپ رہی ہے اسلئے خواہشمند حضرات ابھی سے آرڈر دیکر اپنا نسخہ ریزرو کرالیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔

ناظم دارالتصنیف وتالیف
چہلیک ۔ ملتان شہر

فہرس

اُن کیلئے

جو

"خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں"

اور حدیثوں کو بھی تاریخ سمجھ لیتے ہیں

عالی جناب مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کا بروقت

انتباہ

اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے وزیر اعظم پاکستان نے مذہبی رہنماؤں کے نام لنکا سے یہ پیغام بھیجا ہے۔

"اس وقت انسانیت کو لادینیت اور دہریت کے ایسے عقیدہ اور نظام سے خطرہ لاحق ہے۔ جو خدا میں یقین نہیں رکھتا اور جس کا مذہب جھوٹ اور غلط بیانی ہے۔ یہ خطرہ ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ عقیدہ اور نظام تمام مذہبی روحانی اور اخلاقی قدروں کی بنیادیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ مختلف مذاہب متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں"

کولمبو

۲۸ اپریل ۱۹۵۴ء

۷۸۶

دو پیش لفظ

(از حضرت "طالوت" ملتان)

دو کمیونسٹ ہمارے خان عبدالرحمٰن خان صاحب اگرچہ "خود جہل یک" ہیں مگر ان کی "نئی دریافت" یہ ہے کہ کمیونسٹوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو علی الاعلان کمیونسٹ ہیں اور خدا اور مذہب دونو کے دشمن۔ دوسرے وہ جنہوں نے بظاہر مذہب کا لبادہ تو اوڑھ رکھا ہے۔ مگر حقیقتاً وہ بھی خدا اور مذہب دونو کی "خاک بدہنِ شاں" بیخ کنی میں مصروف ہیں۔ کام دونوں کا ایک ہے مگر نام مختلف ہیں اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ لیبل بدلنے سے چیز نہیں بدل جاتی۔

دو خدا پہلی قسم کے کمیونسٹ مطلقاً خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور علی الاعلان بیچ بازار کے یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ، خدا ہے تو ہمیں دکھاؤ کیونکہ

خوگرِ صورت محسوس ہے انساں کی نظر

اور مطلقاً مذہب کے قائل نہیں اور دنیا جہاں کی وہ خرابیاں جو انہوں نے عالمِ اسباب میں دیکھی ہیں اور شاید ان میں سے اکثر ان کی خود پیدا کردہ ہیں۔

---

۵ یہ ان کے محلہ کا نام ہے

وہ ساری کی ساری یہ مذہب کے سر تھوپ دینے کی مشتاق ہیں مگر دوسری قسم کے ہوشیار کھلاڑی کمیونسٹ یوں نہیں کہتے بلکہ وہ ایک شاندار علمی طریقے سے آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ خدا دو ہیں ایک مولوی کا خدا اور ایک "ہمارا خدا"۔ مولوی کے خدا کی وہ وہ صفات وہ بیان کرتے ہیں کہ

مولوی بھی یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اور پھر جب "اپنے خدا" کا بیان شروع ہوتا ہے تو سبحان اللہ

ذکر اس پری وش کا اور بیان ان کا؟

پڑھتے پڑھتے آخر میں آپ کا دماغ پریشان ہو جائیگا اور دل یہ ماننے پر مجبور ہو گا۔

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

دو اسلام اسی طرح مذہب کے بارے میں بھی دوسری قسم کے کمیونسٹوں کا رویہ یہ ہے کہ وہ بظاہر مذہب دشمنی کا جھگڑا کھڑا نہیں کرتے مگر وہ یہ ضرور آپ کو سمجھاتے ہیں کہ اے دنیائے جہاں کے لوگو! اسلام دو ہیں ایک وہ گھِسا پِٹا ہوا بوسیدہ و فرسودہ اسلام جس کو اب تک تم جانتے ہو جس کو پونے چودہ سو برس سے "مولوی لوگ" آپ کے سامنے پیش کرتے چلے آتے ہیں۔ یہ اسلام تو قطعًا ناقابل عمل اور ناقابل برداشت ہے اور ایک وہ ترشا ترشایا چھلا چھلایا اسلام ہے جو ہم آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جو بالکل ہی موجودہ تہذیبی دور کے لیے فِٹ ہے اور موم کی روایتی ناک کی طرح جیسے ہر طرف موڑا بھی جا سکتا ہے جس پر نہ یورپ کے دانشمندوں کو کوئی اعتراض

ہے اور نہ خود منداِنِ روس کو۔

دو قرآن اسی طرح یہ لوگ قرآن بھی دو بتاتے ہیں ایک قرآن تو یہی ہے جو پونے چودہ سو برس سے مسلمانوں کے اندر رائج ہے۔ جسے وہ مولوی کا قرآن کہتے ہیں جو اپنی تفسیر آپ ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

یا جس کی تفسیر آقائے دو جہاں سردارِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سے بیان کی جاتی ہے کیونکہ جو قرآن کو ہمارے پاس ہدایت کی خاطر لائے۔ وہ اس کی تفسیر و تاویل کو بھی ہم سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں ؎

محمدؐ ہے قرآن کا خود معلم
محمدؐ کی تشریح و تفسیر سب سے بہتر

اور دوسرا قرآن ان کے نزدیک وہ ہے جس کے الفاظ تو بے شک وہی ہیں جو مولوی کے قرآن کے ہیں (کیونکہ الفاظ بدلنا ان کی قدرت سے باہر ہے) مگر اس کے معانی ان لوگوں کے خود پیدا کردہ ہیں۔ اور ان معانی کی رو سے ثابت کیا جاتا ہے کہ پانچ نمازوں کا جھنجھٹ بالکل غیر ضروری اور مولوی کا پیدا کردہ ہے۔ روزہ اپنی مرضی سے آپ رکھیں تو خیر ورنہ آپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس ہوٹل کے زمانہ میں آپ خواہ مخواہ بھوکے رہیں۔ اور زکوٰۃ کا تو ان کے آباؤ اجداد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد ہی انکار کر دیا تھا اب پونے چودہ سو برس بعد اس کا اقرار کیا معنے رکھتا ہے؟ حج کی حیثیت ایک کانفرنس سے زیادہ نہیں اور کانفرنسیں جب "اندرون خانہ" کی جا سکتی ہیں تو مکہ و مدینہ تک

کی سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا عقل و نقل دونو کے خلاف ہے۔ قربانی محض مہمانوں کی ضیافت کا سامان مہیا کرنے کی خاطر تھی اب جب ہر چار قدم پر ہوٹل مہمانوں کے استقبال کے لئے فتح باب کئے ہوئے ہیں اور ان میں تازہ بتازہ جھٹکائی ہوئی مرغیاں اور کیمیاوی طریقوں سے خوبصورت ڈبوں میں بند کیا ہوا یورپین جانوروں کا لذیذ گوشت مل سکتا ہے تو پھر قربانی کا گلا سڑا باسی گوشت کھانا ایک قسم کا پاگل پن ہے۔

یہ نئے "ترقی یافتہ اسلام" کی تعبیرات کے چند نمونے ہیں اور آپ یقین کریں کہ ہر معاملے میں ان کا نقطہ نظر یہی ہے اور ان کی تاویل و تعبیر کا انداز بھی یہی۔

دو حدیث اسی طرح حدیثوں کے متعلق بھی ان کا زاویہ نظر یہی ہے اور اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ جس سے ان لوگوں کی بے دینی اور لامذہبیت کو تقویت پہنچتی ہو (خواہ حدیث کی حقیقی تعبیر کو من مانے طریقے پر بدلنے سے یا حقیقتاً موضوع ہونے کی وجہ سے) ایسی احادیث تو بغیر صحیح و سقیم کے امتیاز کے ان کے ہاں قابل قبول ہیں اور ان سے برابر استدلال بھی کرتے جائیں گے اور اپنی تصانیف میں ان کے حوالے بھی دیتے جائیں گے۔ دوسری احادیث وہ جو ان کے نقطہ نظر سے مختلف ہیں۔ وہ روایتاً اور درایتاً درست اور صحیح بھی ہوں تب بھی یہ لوگ انہیں صحیح نہیں مانتے اور سب سے بڑا استدلال یہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ کلام اللہ نہیں ہیں۔ اس لئے ہم اس کے ماننے پر مجبور نہیں اور دین میں اللہ کے احکام کے ــــــــ سوا رسولؐ کے کہنے کا تو کوئی درجہ ہی نہیں۔ گویا

میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو۔ حدیث اپنے مطلب کے مطابق ہو تو اس سے استدلال بھی صحیح اور دین پرویز و برق کے لئے اسے سند بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن اگر مطلب کے مطابق نہ ہو تو خواہ آپ سر پٹیک کر مر بھی جائیں تب بھی اسے نہیں مانا جا سکتا۔

دو مذہب گویا دو مذہب آپ کے سامنے ہیں ایک مذہب تو پرویزیوں برقیوں، تمنائیوں اور چکڑالویوں کا ہے جسے ہمارے خان عبدالرحمٰن خان صاحب روس کے شعبۂ اسلامیات کا ساختہ و پرداختہ خیال کرتے ہیں خیال ہی نہیں کرتے ثابت کر دکھاتے ہیں اس کی غرض و غایت تو حقیقتاً وہی ہے کہ مذہب سے لوگوں کو متنفر کرکے لامذہبیت ان کے اندر پھیلائی جائے تاکہ زر، زمین اور زن کے اشتراک و اباحیت کا راستہ ہموار کیا جائے۔ اس مذہب کے صحیفے معارف القرآن، دو اسلام دو قرآن اور مقامِ حدیث جیسی کتابیں ہیں اور اس جماعت کا ارگن ماہنامہ "طلوعِ اسلام" ہے۔

دوسرا مذہب وہی پونے چودہ سو سال سے رائج فقہی مذہب ہے جس کی اساس قرآن و سنت اور اجماعِ امت پر ہے، اس کے صحیفے، قرآن پاک بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف اور دوسری حدیث و فقہ کی کتابیں ہیں پہلے مذہب کی تردید اور دوسرے مذہب کی تائید کی خاطر ہمارے خان عبدالرحمٰن خان صاحب نے جن کے تصنیفی کارناموں سے آپ حضرات اچھی طرح آگاہ ہیں یہ کتاب "حقیقتِ حدیث" تحریر فرمائی۔ اس کتاب کے لکھنے

کی تحریک سب سے پہلے اس عاجز نے کی اور بحمداللہ اس کی حیثیت یہ سمجھتا ہوں
کہ اگر قیامت کے روز مجھ سے پوچھا گیا کہ کوئی نیک عمل تمہارے پاس ہے
بھی یا از سرتاپا گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہو؟ تو میری طرف سے جواب یہ ہوگا
کہ بارالہا! اور تو کوئی نیکی نہیں البتہ تیرے محبوبؐ کے مخالفین کے منہ
میں خاردار لگام دینے کی خاطر میں نے "حقیقت حدیث" نامی ایک کتاب
ضرور لکھوائی تھی اور مجھے یقین ہے کہ میری یہی نیکی میری نجات کے لئے کافی
ہوجائے گی۔ انشاءاللہ العزیز الکریم۔

دو ابلیس خان عبدالرحمٰن خان ذرا نستعلیق قسم کے آدمی ہیں۔ اور
انہوں نے ان اباحتی حضرات کی تردید میں جو یہ کتاب لکھی
ہے اس کی حیثیت ایک علمی اور تحقیقی تصنیف کی ہے۔ ان کے مضامین کو دیکھ
کر "حقیقت حدیث" نام تجویز کیا گیا۔ مگر در حقیقت میں نے جس کتاب کے لکھانے
کا ان سے ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس کا نام "دو ابلیس" تجویز کیا تھا۔ اور مطلب یہ
تھا کہ ایک ابلیس تو وہی ہے جسے آپ سب جانتے ہیں جس نے آپ کے
باوا کو جنت سے نکلوایا تھا اور ایک ابلیس اور ہے جو اپنی راہ پر لگا کر آپ
کو قیامت کے دن جنت میں جانے سے محروم رکھنا چاہتا ہے اور قرآن
و حدیث میں تحریف و تلبیس کر کے روسی اشتراکیت کی طرف آپ کو دعوت دے
رہا ہے۔ اس دوسرے ابلیس اور پہلے ابلیس میں بہت سی اقدار مشترک
ہیں۔ ان کی ذرا تشریح ہوجاتی اور دونوں ابلیسوں کی تلبیسات کو واشگاف کیا
جاتا تو یہ بہت فائدہ مند چیز ہوتی۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خان صاحب

کی نسلِ ابلیسیت کو ختم کرے یا مجھے توفیق دے تاکہ "دو خدا" "دو اسلام" اور "دو قرآن" کے بعد مارکٹ میں "دو ابلیس" بھی آجائے اور لوگوں کو پتہ چل سکے کہ کس کس طرح سے اُمتِ محمدیہ کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔

دو غلام احمد دونوں ابلیسوں کی تلبیس تو خیر جب اللہ کو منظور ہوا ظاہر کی جائیگی۔ مگر اتنا تو آپ یاد رکھئے کہ ایک غلام احمد وہ تھا۔ جو ماضیٔ قریب میں گذرا ہے جس کی گمراہیوں کی سزائیں ہم اب تک بھگت رہے ہیں اور ایک غلام احمد یہ ہے جو حال ہی میں منصۂ شہود پہ طلوعِ اسلام کے ذریعہ وجود میں آیا ہے جسے غلام احمد پرویز کہتے ہیں۔ اور لطیفہ یہ دونو ایک ہی ضلع گورداسپور کی پیداوار ہیں۔ غلام احمد پرویز کی خطرناکیاں غلام احمد قادیانی سے کچھ کم نہیں ہیں اگر غلام احمد قادیانی کی ابتدائی حالت کے مطابق غلام احمد پرویز کے ابتدائی حالات میں آپ اس کی بھی حوصلہ افزائی کرتے رہے تو پاکستان میں نہ اسلامی قانون بن سکے گا اور نہ آپ کے نماز روزہ وغیرہ محفوظ ہوں گے۔ کیونکہ یہ شخص ذہنی طور پہ مذہب کا مخالف ہے۔ اور آپ کو بھی مذہب سے علیٰحدہ کر کے روس کے پنجے میں گرفتار کرا دینے کا داعیہ رکھتا ہے اور ابھی سے اس کو پہچان کر اگر اسے دھتکار دیا گیا۔ تو اپنے لنگڑے بنجے پیر کی طرح یہ بھی انشاءاللہ گمنامی کی موت مر جائیگا اسلئے اس کی خطرناکیوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس کا بائیکاٹ بدر کرنے کی کوشش کیجئے اور جو کچھ اس غلام احمد کا ارادہ ہے۔ اس کی تفصیل آپ کو "حقیقت حدیث" سے معلوم ہوگی۔

دو پیش لفظ ایک پیش لفظ تو تھا یہ جس سے آپ کو کتاب کی حقیقت سے آگاہی ہوئی دوسرا پیش لفظ یہ ہے کہ اس کو خود بھی پڑھیے اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھیئے۔ خود بھی خریدیئے اور دوستوں سے بھی خریدوائیے اس کی دلیلوں کو خود بھی یاد رکھئے اور اپنے دوستوں سے بھی یاد کروا لیجیئے تاکہ اگر کوئی پرویزی یا برقی کہیں تلبیس کر رہا ہو تو آپ بخوبی اس کی تردید فرما سکیں ایسے لوگوں کو خصوصًا یہ کتاب پڑھوائیے جو پرویز زدہؔ یا برق گزیدہؔ ہوں کیونکہ یہ کتاب دونو کے زہر کا تریاق ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کو پڑھتے ہی وہ بھلے چنگے مسلمان بن جائیں گے۔ اس بات کو تفنن طبع پر محمول نہ فرمائیے۔ طباعت سے پہلے ہی اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

خانصاحب کے بزرگ دوست خواجہ علی محمد صاحب سابق ڈپٹی زمین ملتان جو بڑے نام دوست اور نقاد واقع ہوئے ہیں۔ ان لوگوں سے بہت متاثر تھے۔ خانصاحب نے تصنیف کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے حصے انہیں سنانے بھی شروع کر دیئے۔ دو تین ہی مضامین سننے کے بعد زہر اترنا شروع ہو گیا اور اب خانصاحب کے قول کے مطابق پرویز کا ان پر کوئی اثر نہیں رہا۔ بلکہ انہوں نے ان لوگوں پر تین حرف بھیجے اور اس کتاب کا نام "تحقیق عائشؓ" تجویز کیا۔ حالانکہ خان صاحب کا مجوزہ نام کچھ اور تھا۔ نیز دعا فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ خانصاحب کو اس سلسلے میں مزید تحقیق و تصنیف کی توفیق عطا فرمائے

ع رحم اللہ عبدًا قال آمینا

ملتان ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ   "طالوت"

۷۸۶

علمی فتنہ کا آغاز

کلامِ پاک میں لفظ فتنہ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے اور بہت سی
چیزوں کو مختلف پہلوؤں سے فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ لغت کی اہم ترین کتاب
"لسان العرب" کی رو سے فتنہ کے معنی آزمانے اور پرکھنے کے بھی ہیں۔ اسلئے
ہر وہ چیز جو انسان کی عقل اور اس کے عزائم کے لئے وجہ امتحان
اور آزمائش ہو۔ فتنہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ
تمام چیزیں جو انسان کی عقل و ضمیر اور اس کے عزم و استقامت
میں ضعف کا باعث ہوں اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ
پر قائم رہنا دشوار ہو جائے۔ فتنہ ہیں۔ اسی معنی کے اعتبار سے
مال و دولت بھی فتنہ ہے۔ کیونکہ اس کی فراوانی میں کم لوگ ایسے
ہوتے ہیں۔ جن کا عقلی توازن ٹھیک رہتا ہے۔ فقر و فاقہ بھی فتنہ
ہے۔ اسلئے کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت میں بہت کم
ایسے نکلتے ہیں کہ راہِ حق پر جن کا قدم استوار رہتا ہو۔ اور وہ خدا
کی مرضی پر صابر و شاکر رہتے ہوں اور جائز و ناجائز کی تمیز ترک نہ
کر دیتے ہوں۔ عہدہ و منصب بھی فتنہ ہے کہ اس سے غرور پیدا ہوتا

ہے۔ عہدہ دار اپنے کو خادم کی بجائے مخدوم سمجھنے لگتا ہے۔
اولاد بھی فتنہ ہے۔ کیونکہ اس کے آرام و راحت کیلئے انسان
جائز و ناجائز کے حدود توڑ دیتا ہے۔ بیوی بھی فتنہ ہے کہ اس
کی محبت بسا اوقات صحیح نصب العین سے انحراف کا باعث
ہوتی ہے۔ کسی صحیح مسلک اور عقیدہ سے پھیرنے کے لیے
جبر و تشدد برتنا بھی فتنہ ہے کہ اس میں اہل حق کی حق پرستی اور
عزیمت کا کھلا ہوا امتحان ہے۔ کافر کی خوشحالی بھی فتنہ ہے
کہ یہ صورت حال مومن کے لئے بڑی وجہ ابتلا ہے۔ منافق کی
وہ تدبیر اور وہ روش بھی فتنہ ہے۔ جو اہل حق کے خلاف وہ عمل
میں لاتا ہے کہ اس سے حق پرستوں کی آزمائش شدید سے شدید تر
ہو جاتی ہے۔ (معارف جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

اسی طرح علم بھی بسا اوقات فتنہ بن جاتا ہے جس کی قرآن میں ہاروت
و ماروت کے قصہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ جب وہ بابل میں اترے تو لوگ
ان سے جادو کا علم سیکھنے کے لئے آنے لگے۔ اور وہ جب تک لوگوں کو یہ نہ
بتا دیتے کہ یہ علم سحر ایک فتنہ ہے جو انسان کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے تب
تک وہ کسی کو یہ علم نہ بتاتے تھے۔ مگر اس واضح تنبیہ کے باوجود لوگ ان سے
یہ علم سیکھتے اور اس سے میاں بیوی میں تفریق پیدا کرتے۔ بقول امام مالکؒ
"علم کثرتِ روایات کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ
دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی کھلی ہوئی علامت دنیا سے نفرت

اور آخرت کی طرف توجہ ہے۔"

اسلئے جس شخص کے دل میں دنیا سے نفرت کی بجائے دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہو۔ اس کا علم نورانی علم نہیں بلکہ ظلمانی ہے۔ جو زمان و مکان کی حقیقت تک نہیں پہنچا سکتا۔ اس پر مسائل غامضہ تو درکنار بدیہیات بھی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ منکشف نہیں ہوتے۔ وہ صرف خوشنما الفاظ کی تراکیب اور ان کی بھول بھلیوں میں الجھا رہتا ہے۔

جن پر نورِ علم سے کسی چیز کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ ان میں پھر دو فرقے بن جاتے ہیں۔ پہلا وہ جو اس علم کی روشنی میں بخوفِ آخرت ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو دنیا کی لذت میں مبتلا اور ہوائے نفس میں گرفتار ہو کر ضلالت کی راہ لیتا ہے۔ جسے سب سے پہلے معلم الملکوت نے اختیار کیا چنانچہ فتنوں کے آغاز کی تاریخ اسی انتنا سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ شیطان نے دانۂ گندم کی خاصیت معلوم ہونے کی وجہ سے دھوکا اور فریب سے وہ دانہ آدم علیہ السلام کو کھلا دیا اور اس طرح اسے جنت سے نکلوانے میں کامیاب ہوا گویا کہ فتنہ کی ابتدا علم ہی سے ہوئی۔

آدم علیہ السلام کے دنیا میں پہنچنے کے بعد بنی نوع انسان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان جس سے حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ جہاں شر موجود ہوتا۔ وہاں خیر پہنچتی۔ جہاں ضلالت پھیلتی۔ وہاں ہدایت بھی بڑھتی۔ یہ سلسلہ تاریخ انسانی کے آغاز سے لے کر آج تک برابر چلا آرہا ہے اور حق و باطل کی اس کشمکش سے کوئی دور خالی نہیں رہا۔

جس وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اکملت لکم دینکم کا مژدہ سنایا۔ تو اس وقت حزب الشیطان میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ انہوں نے سب سے پہلے خود ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو صراط مستقیم سے بچلانے کی کوشش کی جس کی شہادت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۸)	اور قریب تھا۔ کہ یہ لوگ آپ کو اس چیز سے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ بھیجی ہے۔ بچلادیں۔ تاکہ آپ اس کتاب کے سوا دوسری کتاب گھڑ کر پیش کریں۔ اور تب وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنا دیا ہوتا۔ تو آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے۔

جب حزب الشیطان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کرنے میں ناکام رہی تو اس نے ان کے پیغام اور کلام کی تردید یا تکذیب شروع کردی۔ کیونکہ ضالین اور منافقین جانتے تھے کہ اتباع ہادی کے اتباع ہوئی ممکن نہیں۔ اسلئے امام الضالین ابولہب تبت یدا نے یہ پروگرام بنایا کہ جن کی وساطت سے قرآن پاک لوگوں تک پہنچا ہے اور جنہیں معلم القرآن بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اگر ان کی تعلیم و تربیت سے لوگوں کو دور رکھا جائے تو پھر قرآن میں حسب خواہش اسی طرح تحریف و تخفیف کرنی آسان ہو جائے گی جس طرح

پہلی آسمانی کتابوں میں کی گئی تھی۔ پھر ہم اس کے معنی و تفسیر کرنے میں آزاد ہونگے اور جس طرح چاہیں گے۔ ان کا مطلب و مفہوم نکالتے رہیں گے۔ اگر ہم نے خود کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تبع بنا لیا۔ تو پھر ان کی ہی تعلیم و تفسیر قبول کرنی پڑے گی جس سے خواہشاتِ نفس پر چلنا ناممکن ہو جائیگا۔ چنانچہ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے انہوں نے تحریک انکارِ قرآن و حدیث کی بنیاد رکھی اور ملک کے گلی و کوچوں میں اعلان کر دیا کہ

۱۔ جس وقت قرآن پڑھا جا رہا ہو۔ تو اس وقت خوب شور و غل مچاؤ۔ تاکہ اسکی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

۲۔ اور کوئی شخص محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم و تربیت کی طرف دھیان یا التفات نہ کرے۔

امام الضالین تبت یداہ کی اس تحریک انکار قرآن و حدیث کو حزب الشیطان نے مختلف ادوار میں مختلف طریقوں سے چلایا۔

۱۔ کبھی قرآن و اسلام کو جھٹلانے کیلیئے علانیہ خدا کے وجود سے انکار کیا گیا

۲۔ کبھی مسلمانوں کو سنت نبوی سے ہٹانے کے لیئے تخت نبوت پر ائمہ تلبیس کو بٹھانے کی کوشش کی گئی۔

۳۔ کبھی بدعات کے جراثیم کے لیئے دجاجلہ عصر کو مہدویت کا جامہ اوڑھایا گیا۔ اور جہاں

۴۔ ان تینوں حربوں سے کام نکلتا نظر نہ آیا۔ وہاں دعوتِ قرآن و اسلام کے پردہ میں فتنہ و فساد پھیلایا گیا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے حزب الشیطان نے ہمیشہ انسان کے جذبۂ نفرت سے کام لینے کی کوشش کی جیسا کہ برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ "علم النفس کی رو سے کسی لڑائی یا کشمکش میں کامیابی اور فتح حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ یہی ہے کہ انسان کے جذبۂ نفرت کو مخاطب بنایا جائے۔" (ہیگل مارکس اور نظام اسلام صفحہ ۷)

چنانچہ کارل مارکس لینن اور پرویز نے اسی اصول پر اپنی اپنی تحاریک کو چلایا۔ انہوں نے اپنی اپنی طبقاتی جنگ کا سنگ بنیاد ان نظریات پر رکھا۔

کارل مارکس کے مقلد لینن نے اعلان کیا کہ

"سرمایہ داری کی غیر مرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں ایک ڈر کی صورت پیدا کر دی ہے جس سے ایک حاکم اعلیٰ کے تخیل کی بنیاد پڑی۔ اسے انسان نے خدا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک خدا کا تخیل ذہن انسانی سے فنا نہ کر دیا جائے یہ لعنت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی۔"

(ہیرا ینڈ سکل از مارک پیٹرک)

اور لینن کے مقلد مسٹر پرویز نے اعلان کیا۔

"مسلمان سرمایہ داروں کی یہ حالت ہے کہ یہ لوگ دوسروں کا خون چوس کر خود امیر بنتے اور انہیں غریب محتاج بنا دیتے ہیں۔ اور پھر عید و شب برات پر ان کی طرف خیرات کے چند پیسے پھینک کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ کار ثواب سے ان کی عاقبت سنور جائے گی"

(قرآنی فیصلے صفحہ ۱۹)

"غریبوں اور محتاجوں کی جماعت کا مستقل وجود اور ان کی طرف خیرات کے ٹکے پھینک کر اسے اپنے لئے "ثواب" کا کام تصور کرنا اسلامی نظام میں بار نہیں پا سکتا" (قرآنی فیصلے ص ۹۹)

کامریڈ لینن نے اعلان کیا کہ

"نفسِ مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لئے ضروری ہے تاکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے"

(لیہر منتھلی دسمبر ۱۹۲۶ء)

مسٹر پرویز نے لینن کا اعلان اپنے الفاظ میں یوں دہرایا ہے۔

"اگر مسلمان مزید ذلت وخواری سے بچنا چاہتا ہے تو اسے بہرحال مذہب چھوڑنا ہوگا" (طلوع اسلام فروری ۱۹۵۳ء ص ۴۹)

اشتراکیت اور طلوع اسلام کے بانیان کے یہ واضح اور مفصل اعلانات زبانِ حال بتا رہے ہیں کہ

۱۔ اشتراکیت اور طلوع اسلام دونوں کا مقصد حیات ایک ہے۔

۲۔ ان کا فرق محض ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود دونوں کے نظریات میں بال برابر فرق نہیں۔

۳۔ ان کے نظریات صرف علمی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ عملی حیثیت سے بھی اسلامی نظام سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔ اور

۴۔ ان کا بالعموم شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو صحیح مذہبی تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

۵۔ ان دو تحاریک میں اگر بلحاظ ہر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ اشتراکیت علانیہ لامذہبیت کی طرف بلاتی ہے اور "طلوع اسلام" دعوت قرآن کے پردہ میں لادینی پھیلاتا ہے۔ اس لیے اگر ادارہ "طلوع اسلام" کو اشتراکیت کے شعبہ اسلامیات سے موسوم کیا جائے۔ اور اس کے آرگن رسالہ "طلوع اسلام" کو اس کا پاکٹ ایڈیشن قرار دیا جائے۔ تو ان تحاریک کے قائدین کے اعلانات کی روشنی میں یہ اسم بامسمیٰ ہوگا۔

ادارہ "طلوع اسلام" والوں نے اگرچہ اپنے رسالہ کے سرورق پر اپنے مسلک و مقصد کا اعلان ان الفاظ میں کر رکھا ہے۔

"ہمارا مقصد یہ ہے کہ ابتداً پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے۔"

(طلوع اسلام مارچ ۵۳ء)

مگر ان کا تمام لٹریچر (۱) قرآن کی معنوی تحریف (۲) اطاعتِ رسول سے انحراف (۳) احادیثِ نبوی کے انکار اور (۴) آئمہ سلف کی تقلید سے گریز کا مظہر ہے جو اشتراکی لٹریچر کی طرح ملک کے کونہ کونہ میں اس اسلام کو بدلنے اور مٹانے کے لیے پہنچایا جا رہا ہے۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور آئمہ سلف نے چار دانگ عالم میں پھیلایا۔

مسٹر پرویز نے مسلمانوں کو مذہب سے منحرف کرنے کے لئے یوں فریب دیا کہ

"اسلام ایک مذہب نہیں۔ دین ہے۔ مذہب کا لفظ تک قرآن کریم میں نہیں ہے"۔ (معارف القرآن جلد ۴ صک ۱۷)

"دین اس ضابطہ کا نام ہے۔ جسے قرآن نے متعین کیا اور مذہب ان عقائد و رسوم کا نام ہے۔ جو ہم میں مروج ہیں"۔
(اسلامی نظام ص ۲۶)

اسلئے مسٹر پرویز کے نزدیک نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ ایسے ارکانِ اسلام محض مذہبی رسوم ہیں۔ جو "مولویوں" کی پیدا کردہ ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں ہے صدقات نکلتے رہیں گے۔ زکوٰۃ دی جاتی رہیں گی۔ نذر نیاز ہوتی رہیں گی لوگ حج بھی کرتے رہیں گے۔ اور قوم بدستور بے گھر۔ بے در۔ بھوکی ننگی۔ اسلام کے نکتے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہیں گی۔
(قرآنی فیصلے ص ۴۲)

اس طرح مذہب کو قرآن کے خلاف ظاہر کر کے قرآن کی معنوی تحریف کے ذریعہ خود پیدا کردہ اسلام کو دینِ مصطفوی پر ترجیح دینے کی ناکام کوشش کی گئی۔ حالانکہ مذہب عربی کا لفظ ہے جس کے معنیٰ راہِ زندگی، مسلکِ حیات یا دستور العمل کے ہیں۔ اور دین کے معنیٰ طاعت و انقیاد اور جزا کے ہیں۔ چونکہ اسلام جہاں مسلمانوں کے لئے ایک مخصوص مسلکِ حیات، طرزِ زندگی اور دستور العمل پیش کرتا ہے۔ وہاں اسے طاعت و انقیاد اور جزا کے لئے بھی تیار کرتا ہے۔ اسلئے مسلمان اسلام کو مذہب اور دین دونوں ناموں سے پکارتے

ہیں اور ویسے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں اس آیۂ کریمہ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ میں مذہب کی طرف صریح اشارہ موجود ہے۔ مزید براں مذہب کے ہم معنی الفاظ "سبیل" اور "منہاج" قرآن پاک میں متعدد مقامات پر موجود ہیں نتیجۃً یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ اسی پرانی تحریک کی صدائے بازگشت ہے جس کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم آج سے پونے چودہ سو سال قبل نہ صرف پیش گوئی فرما گئے ہیں بلکہ اس کے مدعیوں کی علامتیں بھی بتا گئے ہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ اور لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و خوبی کے متعلق استفسار کیا کرتے تھے لیکن میں شر اور فتنہ کی نسبت دریافت کیا کرتا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہم جاہلیت کے تاریک ترین دور میں شر سے زیاں کار تھے۔ خدائے ذوالمنن نے ہمیں نعمتِ اسلام سے سرفراز فرمایا۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ اس خیر و برکت کے بعد جو ہمیں حاصل ہے۔ کوئی فتنہ تو رونما نہ ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا۔ "بے شک ہوگا" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس فتنہ کے بعد بھی کوئی بھلائی عرصۂ ظہور میں آئے گی؟ فرمایا۔ "ہاں لیکن اس میں کدورت ہوگی" میں نے پوچھا کدورت کس قسم کی ہوگی؟ فرمایا۔ "ایسے ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میری راہِ ہدایت سے منحرف ہو کر اپنا علیحدہ

طریقہ اختیار کریں گے۔ جو شخص ان کی بات پر کان دھرے گا۔ اور عمل پیرا ہوگا اسے جہنم واصل کر کے چھوڑیں گے۔" میں نے کہا یا رسول اللہ! ان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا "وہ ہماری ہی قوم میں سے ہوں گے (یعنی مسلمان کہلائیں گے) ان کا ظاہر تو علم و تقویٰ سے آراستہ ہوگا۔ مگر باطن ایمان اور ہدایت سے خالی ہوگا۔ وہ ہماری ہی زبانوں (قرآن و حدیث) کے ساتھ کلام کریں گے۔" میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! تو پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا "اے حذیفہ جب ایسا وقت آئے تو مسلمانوں کی جماعت کا التزام کیے طریقہ شریعت والی رہنا اور مسلمانوں کے امام و خلیفہ کی اطاعت و رفاقت کرنا۔" میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر ایسا وقت ہو کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ رہے اور ان کا کوئی امام بھی نہ ہو۔ تو پھر کیا کرنا ہوگا؟ فرمایا "اگر ایسی حالت رونما ہو۔ تو بھی گمراہ فرقوں سے الگ رہنا اگرچہ تمہیں درختوں کے پتے اور جڑیں چبا کر ہی گزر اوقات کرنا پڑے۔ اور تا دم مرگ اسی طرز بود و باش پر مجبور رہو" (بخاری و مسلم)

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کی تائید خود قرآن پاک کی اس تنبیہ سے ہوتی ہے کہ

یَا بَنِیْ آدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ	اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح تمہارے

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۔

(الاعراف ۳)

والدین کو جنت سے نکلوا دیا۔ اور ان سے ان کے کپڑے اتروائے تاکہ ان کو ان کی شرمگاہیں دکھائے بلاشبہ وہ اور اس کا لشکر تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ بیشک شیطان کو ہم نے ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے۔ جو ایمان نہیں رکھتے۔

کلام پاک کی ان تصریحات کی روشنی میں "طلوع اسلام" کی جاری کردہ تحریک کا اگر جائزہ لیا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ

"وہ ہماری ہی قوم میں سے ہوں گے۔ ان کا ظاہر تو علم و تقویٰ سے آراستہ ہوگا مگر باطن ایمان اور ہدایت سے خالی ہوگا۔ وہ ہماری زبانوں (قرآن و حدیث) کے ساتھ کلام کریں گے۔"

ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آجاتا ہے کہ یہ لوگ اپنی تحریروں میں ایک طرف تو مسلمانوں کو اپنے مومن کامل ہونے کا یقین دلاتے ہیں اور دوسری طرف کفر والحاد کا نعرہ لگاتے ہیں مثلاً

۱۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"اسلام میں حکومت اور اطاعت کا حق صرف خدا کو حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔" (اسلامی نظام صفحہ ۹)

مگر دوسری جگہ اس سے یوں انحراف کرتے ہیں کہ

"خدا اور رسول سے مراد وہ مرکزِ ملت ہے جو دنیا میں خدائی قوانین نافذ کرے"۔ (مقامِ حدیث جلد ا صفحہ ۶۴)

۲۔ ایک مقام پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیران الفاظ میں کرتے ہیں:-

"اس ذاتِ اقدس و اعظم کی طرف جو انسانیت کے معراجِ کبریٰ کا مظہرِ اتم تھی۔ وہ ہستی گرامی مرتبت (فداہ ابی و امی) جو عمر بھر قرآن کے افقِ اعلیٰ پر جلوہ افروز تھی"۔ (مقامِ حدیث جلد ا صفحہ ۶)

اور دوسری جگہ ان کے متعلق یوں ارشاد ہوتا ہے۔

"کسی (رسول اللہ کو بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے"۔ (اسلامی نظام صفحہ ۹۴)

۳۔ ایک جگہ لوگوں کو یوں یقین دلایا جاتا ہے کہ

"دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو حدیث کے وجود کا انکار کرے خود طلوعِ اسلام کے پاس حدیث کی کتابوں کی بڑی بڑی ضخیم جلدیں موجود ہیں جن کے اقتباسات اس میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں"۔ (مقامِ حدیث جلد ۲ صفحہ ۳۸۶)

اور دوسری جگہ لوگوں کو حدیث سے انکار کی یوں دعوت دیتے ہیں۔

"نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے۔ نہ اس پر ہم کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے"۔ (طلوعِ اسلام صفحہ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۰ء)

۴۔ ایک مقام پر آئمہ سلف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ امام بخاری حدیث کے بلند پایہ امام تھے اور صحیح روایتوں کے لینے کے لئے جن جن لوازم اور شرائط کی فنِ رجال کی رُو سے ضرورت تھی۔ انہوں نے سب کا لحاظ رکھا"

(مقام حدیث جلد ا صـ ۱۹۲)

دوسری جگہ انہیں یوں گرایا جاتا ہے۔

"وہ کتنے ہی بڑے عالم بھی۔ تھے تو بالآخر انسان! اور ایک انسان کے متعلق سمجھ لینا کہ اس کی تحقیق کا نتیجہ ایسا ہے کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور وہ تنقید کی حد سے بالا ہے۔ سوائے شخصیت پرستی کے اور کیا ہے"۔

(مقام حدیث جلد ا صـ ۵۷)

ایسی بے شمار مثالیں ان کی تحریروں میں ملتی ہیں۔ مگر بخوفِ طوالت انہی چار نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ ان کا انداز بیان۔ طرز کلام طریق استدلال تزئین شیطانی کا بہترین مظہر ہے۔ چونکہ ان کی نیت تعمیر کی بجائے تخریب کی ہے۔ لہٰذا وہ کسی امرِ زیرِ بحث لاتے وقت اس کے دس تائیدی شواہد نظر انداز کر جاتے ہیں اور ایک آدھ تردیدی واقعہ کو بڑی کاوش اور اپنی سحر طرازی سے اس طرح بڑھاتے اور پھیلاتے ہیں کہ رائی کا پہاڑ نظر آنے لگتا ہے۔ کفر و ضلالت کی ایسی بھول بھلیوں سے ایک مسلمان کا بچ نکلنا بڑا مشکل ہے۔ تاوقتیکہ وہ صحیح معنوں میں دیندار نہ ہو۔ اور خدا اور اس کی تعلیمات

پر ایمان بالغیب نہ رکھتا ہو جیسا کہ ایک مرتبہ امام رازیؒ کو مرض الموت کے قریب شیطان نے آن دبوچا اور ان سے اثباتِ خدا کی دلیل طلب کی۔ انہوں نے ایک دلیل بیان کی۔ اس نے جھٹلا دی۔ انہوں نے دوسری دلیل دی۔ اس کو اس نے رد کر دیا۔ انہوں نے تیسری دلیل دی۔ اس نے اسے بھی ٹھکرا دیا۔ غرضیکہ انہوں نے ایک سو دس (۱۱۰) دلیلیں پیش کیں۔ مگر معلم الملکوت نے اپنی سحر بیانی سے سب کو رد کر دکھایا۔ تو انہوں نے لاچار ہو کر شیطان کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیا کہ میں خدا کو بلا دلیل مانتا ہوں۔

غرضیکہ طلوعِ اسلام کا یہ فتنہ بڑی سرعت سے ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیل رہا ہے اور اُس ملک میں نشوونما پا رہا ہے جس کے آئین کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی جا رہی ہے۔ مگر ان پڑھے لکھے مسلمانوں کو ان مذہبی اشتراکیوں کے دامِ تزویر سے بچانے کے لئے ابھی تک کسی طرف سے صحیح توجہ نہیں دی جا رہی اور اگر کبھی کبھار اس سلسلہ میں کسی کا قلم جنبش میں آتا بھی ہے تو وہ عمومی بحث میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے پیش کردہ وساوس و اشکال کی تردید اس طریق سے کی جائے کہ یہ فتنہ آئندہ کے لئے بڑھنے نہ پائے۔

میں نے پہلی مرتبہ اس تحریک کا لٹریچر حضرت طالوت کی تحریک اور چند بزرگانِ دین کی تائید پر پڑھا۔ تو مجھ پر اشتراکیوں کے اس پاکٹ ایڈیشن کے حقائق روشن ہوئے اور اس کے ساتھ ہی مجھے پرویز اینڈ کو کی تحریروں سے ہی انکے دعووں کی تردید کے لئے دلیلیں مل گئیں۔ جس سے بفضلہ تعالیٰ

میں نے کمر ہمت باندھ لی۔ اور زیر نظر کتاب تصنیف کر ڈالی۔ اگر مجھے تردیدی مواد خود ان کی تحریروں سے نہ ملتا۔ تو شاید یہ کام مجھ ایسے طالب علم سے نہ ہو سکتا۔ جسے میں اللہ جل شانہٗ کا فضلِ خاص اور علمائے حق کی صحبت کا فیض سمجھتا ہوں۔

زیر نظر کتاب میں میں نے اس بات کا خاص طور پر التزام کیا ہے۔ کہ مباحث طول نہ پکڑ جائیں اور حجم بھی بڑھنے نہ پائے تاکہ نازک طبع قارئین گرانی محسوس نہ کریں۔ اور غریب یا متوسط طبقہ اسے خریدنے سے محروم نہ رہے۔ اسلئے میں نے اپنے جائزہ کو اس تحریک کے بانیوں کے ان دلائل تک محدود رکھا ہے جو ان کے معتقدین کی رائے میں ایٹم بم کی حیثیت رکھتے ہیں مگر تجزیہ کے بعد محض ریت کے بم ثابت ہوتے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو پرویزی ایجنڈا کے دجل و فریب سے بچانے میں اور اس فتنہ کے رد و ابطال میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ تو آپ کو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیلئے اسکی نشر و اشاعت میں ہاتھ بٹانا چاہیئے کہ یہ بھی دین اور ملک کی ایک خدمت ہے۔

احقر العباد
منشی عبد الرحمٰن خان

چہلیک۔ ملتان شہر
۲۶ اپریل ۵۴ء

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی و شرارِ بولہبی

قرآن کی معنوی تحریف

اسلام اپنے یوم پیدائش سے دشمنوں کے نرغے میں رہا۔ اس کی زندگی میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ انہوں نے اُسے اطمینان کا سانس لینے دیا ہو۔ مگر یہ بھی کوئی ایسا فولادی چنا ثابت ہُوا کہ دنیا کی تمام طاغوتی طاقتیں ملکر بھی اسے نہ چبا سکیں۔ بلکہ جب بھی اسے چبانے یا مٹانے کی کوشش کی گئی۔ اس کا رنگ پہلے سے بھی زیادہ نکھر آیا۔ جب اسے مٹانے کے تمام استبدادی وسائل ناکام ثابت ہوئے۔ تو پھر استعماری ذرائع استعمال کیے جانے لگے۔ جن کی رو سے منافقین وضالین کو اسلامی جامہ پہنا کر مسلمانوں کی جماعت میں بدیں غرض داخل کر دیا گیا کہ وہ "نبی"۔ "مہدی"۔ "مجدد" اور "پیر" بن کر پھر اسلام کی بنیادوں کو اس کے اندر ہی بیٹھ کر اس طرح کھودنا شروع کریں کہ دیکھنے والا یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ تخریب کی بجائے تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس دور میں اطرافِ عالم میں اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی جتنی کوششیں جاری ہیں۔ وہ سب ان کے "معاونین" اور "مصلحین" کی طرف سے مختلف پردوں میں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ مملکتِ پاکستان کے اندر اس "خدمتِ اسلام" کا سہرا "پرویز اینڈ کو" کے سر ہے۔ جو اس وقت اپنے ادارہ

وجدیدہ "طلوع اسلام" کے ذریعہ "قرآنی نظام ربوبیت کے قیام" کی تحریک چلا رہے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں

۱۔ جس ادارے کا نام "طلوع اسلام" ہو۔

۲۔ جس کے نقیب یعنی رسالے کا نام بھی "طلوع اسلام" ہو۔

۳۔ جو بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ" جاری کیا گیا ہو (ملاحظہ ہو فائل طلوع اسلام ۴۰-۱۹۳۹ء)

۴۔ جس کے سرورق پر مزید یقین دہانی کے لئے علامہ اقبال کی تصویر دی گئی ہو (ایضاً)

۵۔ جس کے ہر پرچہ کو علامہ اقبالؒ کے کلام سے آراستہ کیا گیا ہو اور کیا جاتا ہو (ایضاً)

۶۔ جس کی جاری کردہ تحریک کا مقصد "قرآنی نظام ربوبیت کا قیام ہو (طلوع اسلام اگست دسمبر ۱۹۵۲ء ص۲۳)

۷۔ جو قرآنی اسلام کی تجدید کرنا چاہتا ہو (طلوع اسلام اگست دسمبر ۵۲ء ص۱۶)

۸۔ جس کے داعیوں کی طرف سے یہ ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہو۔ کہ:۔

تمہارا مطلب یہ نہیں کہ سلف سے جو کچھ تمہارے پاس آیا ہے معاذ اللہ سب گمراہ کن ہے۔ ایسا کون کہہ سکتا ہے؟ مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں ان سے ملا ہے۔ آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی نہ کرو۔ بلکہ شمع قرآنی کی روشنی میں ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھو۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح کے انسان تھے غلطی کر سکتے تھے۔ لیکن قرآن

کی کسوٹی کبھی غلطی نہیں کر سکتی۔ جو اس کسوٹی پر پورا اترے۔ دین وہی ہے اور بس (ذالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّم)۔

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۳)

اس کے متعلق اگر کوئی شخص یہ کہے کہ

۱۔ یہ ادارہ یا رسالہ مسلمانوں میں ایک فتنہ پھیلا رہا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو اسلام اور قرآن کے نام پر دھوکا دے رہا ہے۔

۳۔ خادم اسلام بن کر قصر اسلام کو پیوند زمین کرنا چاہتا ہے۔

۴۔ شمع قرآنی دکھلا کر مسلمانوں کو جمع کرتا ہے اور مشعل شیطانی آگے کر کے اس کی چندھیا دینے والی روشنی سے ان کو آنکھیں بند کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔

تو ظاہر بات ہے کہ ایسا کہنے والے کو پاگل یا جاہل کہا جائیگا۔ اور اگر انہی باتوں کو خود اس کی تحریروں سے صحیح ثابت کر دیا جائے۔ تو پھر آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ انہیں کیا کہا جائے اور ان سے کیا سلوک کیا جائے۔

راقم اس ضمن میں قارئین کرام کو طول طویل بحث میں الجھانا نہیں چاہتا بلکہ ان پر صرف اتنا واضح کرنا چاہتا ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔ مگر انہیں دیکھنے سے قبل اتنا ذہن نشین رہے کہ حق کی طرف دعوت دینا زیادہ آسان ہے اور باطل کی طرف راغب کرنا قدرے مشکل۔ تا وقتیکہ اس کے لئے ہر رنگ زمین دام نہ بچھا دیا جائے اتنی بات تو معمولی عقل اور سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ لوگوں کو راہِ ہدایت سے راہ ضلالت پر لانے کے لئے صاف طور پر تو یہ نہیں کہا جا سکتا

کہ تم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر شیطان کی راہ اختیار کرو۔ بلکہ ان کو دوسرے طریقوں سے گھیر کر اس راہ پر لانا پڑتا ہے جنہیں عرفِ عام میں دجل و فریب اور عیاری و مکاری کہا جاتا ہے۔ تحریکِ انکارِ قرآن و حدیث کے بانیٔ اول بولہب تبت یداہ کے مخاطب چونکہ کفار تھے۔ اس لیے اس نے تو صاف لفظوں میں اپنے مخاطبین سے کہہ دیا کہ قرآن اور رسول کا راستہ مت اختیار کرو۔ مگر طلوعِ اسلام والوں کے مخاطب چونکہ مسلمان ہیں۔ اسلئے انہیں مجبوراً کفر و الحاد کی دعوت "قرآن و اسلام" کے نام پر دینی پڑی۔ اس سلسلہ میں ان کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ پیدا ہوئی کہ وہ قرآن کے الفاظ بدلنے پر قادر نہ ہو سکے۔ اسلئے ان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ قرآن کے معنی و مفہوم بدل کر اپنا مطلب نکالا جائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کے معاملہ میں کیا۔ چنانچہ مسٹر پرویز جو پاکستان میں اس تحریک کے قائد ہیں۔ لکھتے ہیں:-

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروج ہے۔ وہ بیشتر غیر قرآنی ہے۔ اس کے لئے عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ ہم چونکہ قرآن کو ترجموں کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے اسکی اصل سے ناواقف رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کو سمجھنے کے لئے عربی جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور جب تک ہم عربی نہ جانیں قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ لیکن اس سے اس مشکل کا حل نہیں ہوتا۔ جس کی طرف

میں نے اشارہ کیا ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جن حضرات نے قرآن کے ترجمے کئے ہیں۔ وہ تو عربی جانتے تھے۔ اگر عربی جاننے سے صحیح قرآن سمجھ میں آجاتا۔ قرآن کے ترجموں سے بھی قرآن سمجھ میں آجانا چاہیئے تھا۔ تمام تر نہیں۔ تو کم از کم قریب قریب دوسری چیز یہ ہے اور یہ پہلی سے بھی زیادہ اہم ہے کہ آج مسلمانانِ عالم کا بیشتر حصہ ایسا ہے۔ جس کی مادری زبان عربی ہے۔ ان کے لئے صحیح قرآن سمجھنے میں تو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ بھی قریب قریب اسی قسم کا قرآن سمجھتے ہیں جس قسم کا قرآن ہمارے ہاں ترجموں سے سمجھا جاتا ہے آپ عربی ممالک یعنی عربی بولنے والے مصنفین کی مذہبی کتابیں اُٹھا کر دیکھئے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے۔ ان میں اور اپنے ہاں کی مذہبی کتابوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ مجھے ایک عرب ادیب کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ادب کا امام زبان پر اس قدر عبور کہ ایک ایک لفظ کے بیسیوں سندات مستحضر ایسا نظر آتا تھا کہ اسے بڑے بڑے عربی لغت، شعراء کے دواوین اور کتب محاضرات حفظ یاد ہیں۔ مرادفات کے معانی میں ایسا لطیف فرق بتاتا تھا کہ سن کر لطف آجاتا تھا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہتی جب میں دیکھتا کہ جونہی قرآن کی کوئی آیت سامنے آتی۔ وہ وہی مفہوم بیان کرتا۔ جو ہمارے مکتبوں میں پڑھایا جاتا ہے۔

اور جس میں قرآن کا کہیں نام نہیں ہوتا۔ (قرآنی فیصلے صفحہ ۲۶۰-۲۶۱)

مسٹر پرویز کے اس بیان سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ

۱۔ نزولِ قرآن سے لے کر اس وقت تک مسلمانانِ عالم قرآن کے وہی معنی و مفہوم سمجھتے ہیں جو ہمارے ہاں سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ وہ لوگ بھی جن کی مادری زبان عربی ہے۔ قرآن کے وہی معنی کرتے ہیں۔ جو ہمارے اکابر نے کئے ہیں۔

۳۔ عربی ادب کے ایسے امام جو "عربی کے بڑے بڑے" لغت کے حافظ اور "مرادفات کا لطیف فرق" جانتے ہیں۔ وہ بھی آیاتِ قرآن کا وہی ترجمہ کرتے ہیں۔ جو یہاں مروج ہے۔

گو مسٹر پرویز کے خیال میں یہ سب لوگ قرآن کے معنی و مفہوم کو جو بقول خود آسان۔ واضح اور مفصل ہے۔ نہیں سمجھ سکے۔ بلکہ اس پورے چودہ سو سال کے اندر اگر قرآن کو "صحیح" مطلب و مفہوم کوئی سمجھ سکا ہے تو وہ صرف مسٹر پرویز کی ذات گرامی قدر ہے۔ اسلئے انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف کا فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ مگر اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی کے وقت ان کے دل میں جو دھڑکن پیدا ہوئی۔ اس کی آواز مسٹر پرویز کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

"میری بصیرتِ قرآنی نے مجھے جس نتیجہ تک پہنچایا ہے مسلمان اسے سننے کے لئے ابھی تیار نہیں۔ حضرت علامہ نے کہا تھا۔ کہ

لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

فرنگ انکی نواؤں کی تاب لا سکا یا نہ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہنوز

مسلمان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ان نوائوں کی تاب لا سکے جو اس کی صحیح تصویر کو قرآن کے آئینہ میں بے نقاب دیکھ کر ایک قلب حساس سے فغاں بن کر اُٹھتی ہے اور فضا کے سینے کو چیر کر آسمان سے جا ٹکراتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے بڑی الم انگیز اور حدیث ہے بڑی جگر خراش۔ کہ مسلمان اپنی اصلی تصویر دیکھنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ وہ اس حبشی کی طرح ہے جس نے آئینہ میں اپنی بھیانک شکل دیکھ کر آئینہ توڑ ڈالا تھا۔ ہر اس شخص کے پیچھے پڑ جاتا ہے جو اسے اُس کے حقیقی خط و خال سے آگاہ کرتا ہے ..... مسلمانوں نے بھی چند تصورات و رسوم کی لاشوں کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ جو شخص ان لاشوں کو اس سے الگ کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہے۔ وہ اسے چاقو دکھاتا ہے اور جو انہیں مردہ کہتا ہے وہ اسے پتھر مارتا ہے۔ میں نے عمر بھر اس کی کوشش کی ہے کہ جس انداز سے قرآن کی روشنی نے یہ حقیقت مجھ پر بے نقاب کی ہے کہ جس جسد بے جان کو مسلمان محبوب جاں نواز سمجھ کر سینے سے لگائے پھر رہا ہے وہ ایک لاش سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسی انداز سے یہ حقیقت دوسروں کے سامنے بھی پیش کر دوں"۔ (اسباب زوالِ امت صـ۱۶۔۱۷)

اب دیکھیئے کہ مسلمانوں کے اس "غمخوار اور محسنِ اعظم" نے اس جسدِ بےجان

یا لاش یعنی اسلام کا پوسٹ مارٹم کس طرح کیا اس کی وضاحت وہ خود ایک دوسرے مقام پر یوں کرتے ہیں:۔

سب سے پہلا کام کرنے کا یہ ہے کہ ایک ایسا لغت مرتب کر دیا جائے جس میں یہ بتایا جائے کہ قرآن کے الفاظ کے اصل مادے کیا ہیں۔ اور زمانہ نزول قرآن میں یہ الفاظ کن معانی میں استعمال ہوتے تھے۔ (کیونکہ) میری نگاہ سے قرآن کا کوئی لغت ایسا نہیں گزرا جس میں خصوصیت سے اس انداز سے قرآنی مفردات کے معانی متعین کئے گئے ہوں۔ (قرآنی فیصلے صـ ۲۶۵)

لیکن ایسے لغت کی تیاری کی بنیاد انہوں نے اس اصول پر رکھی:۔

قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین کیا جائیگا۔ وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ Improve ہوتا رہیگا یا بڑھتا جائیگا۔ (قرآنی فیصلے صـ ۲۶۶)

ان تصریحات کی روشنی میں ان کے صحیفہ "معارف القرآن" کا شانِ نزول ملاحظہ فرماویں:۔

ان حالات کے پیش نظر یہاں قرآن کے متعلق کسی کام کا ارادہ کرنے والوں کو یہ سوچ لینا چاہیئے۔ کہ انہیں جو کچھ کرنا ہوگا تنہا اپنے بھروسہ پر کرنا ہوگا۔ جس نہج پر میری "معارف القرآن" لکھی گئی۔ اس کا خاکہ علامہ اقبالؒ کے ذہن کا رہین منت ہے (قرآنی فیصلے صـ ۲۶۸)

اس اعتراف سے صاف ظاہر ہے کہ مسٹر پرویز نے شارح قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور مفسرین کرام کے معانی و مطالب کو نظر انداز کر کے محض اپنی عقل و فکر سے قرآنی الفاظ کے ایسے معنی و مفہوم نکالے ہیں جو

۱۔ انسان کی آزادی میں مخل نہ ہوں۔

۲۔ اس کی خواہشات سے متصادم نہ ہوں اور

۳۔ ہر آنے والے زمانہ کے تقاضوں کا ساتھ دے سکیں۔

اگر حق تعالےٰ کو ایسا منظور ہوتا۔ کہ ہر شخص "تنہا اپنے بھروسہ" پر قرآن کے معنی و تفسیر کرے۔ تو پھر اسے معلم القرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ چونکہ اس نے "ہدایت" کے ساتھ ہادی بھیجا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قوم کے لئے جس کی طرف "ہدایت" اور "ہادی" بھیجے گئے "ہدایت" کے بعد حرفِ آخر اس کے ہادی کا قول و فعل یعنی حدیث ہی ہو سکتی ہے۔ مگر مسٹر پرویز ہادی کے ہدایت یافتگان کے ساتھ چلنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ انہیں اپنے ساتھ چلانا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے صاف طور پر لکھا ہے کہ

> "میری دعوت لوگوں کے ساتھ ساتھ چلنے کی نہیں۔ بلکہ انہیں ان کی موجودہ روش سے روک کر دوسری راہ پر لے جانے کی ہے۔" (مقامِ حدیث جلد ۲ ص ۳۱۷)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا مقصدِ حیات اتباعِ ھُدیٰ نہیں بلکہ اتباعِ ھویٰ ہے۔ ورنہ وہ قرآن اور رسولؐ کی بتلائی ہوئی صراطِ مستقیم

سے نہ بھٹکتے اور وہی راہِ ہدایت اختیار کرتے جس پر پونے چودہ سو سال سے امتِ مسلمہ چل رہی ہے۔ پھر غضب یہ ہے کہ ؏

ہم تو ڈوبے ہیں صنم۔ تم کو بھی لے ڈوبیں گے

خواہی نخواہی علامہ اقبالؒ پر بھی بہتان لگا دیا کہ انہوں نے اپنے اسلام کا جو نقشہ "معارف القرآن" میں تیار کیا ہے۔ اس کا خاکہ علامہ اقبال کے ذہن کا رہینِ منت ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عاشقِ صادق اور سنتِ نبوی کے اس پروانے سے مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے منسوب شدہ نظریۂ وطنیت برداشت نہ ہو سکا۔ اور صاف کہہ دیا ؂

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

وہ مسٹر "پرویز" کا اسلام کیسے برداشت کرتے۔ جو دعوتِ قرآن کے پردہ میں سراسر کفر و الحاد ہے اور جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے اگر آج وہ زندہ ہوتے تو مسٹر پرویز کے خلاف سب سے پہلے میدانِ عمل میں آتے۔

بہر حال یہ امر خود مسٹر پرویز کے اپنے فخریہ اعلان و بیان سے پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ پونے چودہ سو سال کے عرصہ میں دنیائے اسلام کے اندر قرآن کی معنوی تحریف کا سہرا خود مسٹر پرویز کے سر ہے مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔

اطاعتِ رسولؐ سے انحراف

قرآن کی معنوی تحریف کا پروگرام اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا تھا جب تک معلم القرآنؐ کو اس کے منصب سے نہ ہٹایا جاتے۔ اسلئے پرویزائیڈ کو نے قرآن کی معنوی تحریف کے ساتھ ساتھ معلم القرآن کی اطاعت سے بھی انحراف کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ جس طرح قرآن کریم "ذکر للعالمین" ہے یعنی ساری دنیا کے لئے بطور نصیحت بھیجا گیا ہے۔ اس طرح اسکے پہنچانے والا بھی "رحمۃ للعالمین" ہے یعنی ان کی رسالت و قیادت بھی ساری دنیا کے لئے ہے۔ مگر پرویزائیڈ کے نزدیک وہ صرف اپنے دورِ نبوت کیلئے حجت تھے بعد کے لئے نہیں۔ چنانچہ حافظ محمد اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:-

قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے
اس سے مراد امامِ وقت یعنی مرکزِ ملت کی اطاعت ہے۔
جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے۔ ان کی
اطاعت اللہ کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد آپ کے زندہ
جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہو گی ....
الغرض قرآن امامِ وقت ہی کے ساتھ امت کی نجات اور

کامیابی کا ذریعہ ہے۔ (علم حدیث صہ ۳۴ تا ۳۶)

اور ایسا ہی مسٹر پرویز لکھتے ہیں کہ

"خدا اور رسول" سے مراد وہ مرکزِ ملت ہے۔ جو دنیا میں خدائی قوانین نافذ کرے۔ (مقامِ حدیث جلد ا صہ ۶۲)

اس دعویٰ کی تائید میں انہوں نے جو دلائل دیئے ہیں۔ اب ذرا ان کی تفصیل ان کی ہی زبان مبارک سے سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

۱۔ اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا۔

(معارف القرآن جلد ۴ صہ ۶۸۶)

۲۔ اگر خود رسول اللہ کا یہ منشا ہوتا کہ حضورؐ کے متعین فرمودہ جزئی احکام قیامت تک کے لئے غیر متبدل اور واجب الاطاعت رہیں۔ تو جس طرح آپ نے قرآن کریم کو لفظاً لفظاً لکھوا کر۔ زبانی یاد کرا کر محفوظ شکل میں چھوڑا تھا۔ اس طرح اپنے ان احکام کا ایک مجموعہ خود مرتب فرما کر امت کو دے کر جاتے۔

۳۔ اگر یہ کسی طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر صحیح ہے۔ تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضور کے زمانۂ مبارک میں دین کے فلاں گوشہ پر کس طرح عمل کیا گیا تھا۔

(مقامِ حدیث جلد ا صہ ۶۱)

لہ کیونکہ انکے نزدیک سرمایۂ احادیث سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں سب دفتر بے معنی ہیں

یہاں پہنچ کر انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف اور اطاعت الرسولؐ سے انحراف کے ساتھ انکارِ حدیث بلکہ ابطالِ حدیث کی بھی بنیاد رکھ دی۔

اس امر پر مفصل بحث اگلے صفحات پر آرہی ہے کہ حضورؐ نے امت کو کوئی تحریری احکام دیئے یا نہ دیئے۔ اور ان کی حیثیت سرمایہ دین کی تھی یا نہ تھی۔ سردست یہاں اطاعت الرسولؐ کے مسئلہ پر ہی روشنی ڈالی جائے گی۔ اگرچہ راقم کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک نہ قرآن کے وہ مفہوم و معنی صحیح ہیں۔ جو ہم یا ساری دنیائے اسلام کرتی ہے اور نہ ہی دفترِ احادیث کی کوئی حدیث صحیح اور قابلِ قبول ہے، اگرچہ ساری دنیائے اسلام کا اس پر عمل ہے۔ لیکن جہاں پرویز اینڈ کو کو اپنے پادرِ ہوا دعووں کی تائید میں انکار و ابطال کے باوجود مجبوراً اور بادلِ ناخواستہ قرآن و حدیث کی پناہ لینی پڑتی ہے اور وہ اپنے ظن و تخمین کی بنیادیں ان پر استوار کرنے لگتے ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ راقم بھی اسی قرآن و حدیث سے استنباط نہ کرے۔ جو ہمارے لئے حجت ہیں مگر ان کیلئے حجت نہ ہونے کے باوجود جبراً حجت بن جاتے ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

بہرحال مندرجہ صدر اقتباسات میں آپ نے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے کس عیاری سے مسندِ رسالت پر اولی الامر کو بٹھا دیا ہے اور اس طرح دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کے لئے راہ صاف کر دی ہے۔ رسولؐ کو اپنے عہدِ رسالت کے بعد ناقابلِ اطاعت قرار دینے کے لئے انہوں نے ایک

دو حیثیتیں قائم کر دی ہیں۔ یعنی بقول حافظ محمد اسلم جیراجپوری:۔
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں۔
۱۔ پیغمبری یعنی پیغاماتِ الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا۔

۲۔ امامت یعنی اُمت کا انتظام۔ اس کو قرآن کے مطابق چلانا اسکی شیرازہ بندی۔ ان کے باہمی قضایا کے فیصلے۔ تدبیر مہمات و جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم کی گئی۔

یہ امامتِ کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی قیامت تک کے لئے مستمر ہے جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے ہمیشہ رہنی چاہیئے۔"

(علم حدیث صفحہ ۳۴ تا ۳۶)

اب ذرا قرآن و عقل کی روشنی میں ان کے مذکورالصدر دعووں اور دلیلوں کا جائزہ لیں۔ قرآن نے اطاعت کے تین درجے قائم کئے ہیں۔

(۱) اطاعت اللہ (۲) اطاعت الرسولؐ (۳) اطاعت امیر۔ یعنے اولی الامر منکم۔

آگے چل کر ان کو پھر دو درجوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

الف۔ اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہم وزن اور

ہم پلہ قرار دیا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ کہ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی۔ اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور

ب۔ اطاعت امیر کو اپنی یا اپنے رسولؐ کی اطاعت سے بالکل الگ تھلگ کر دیا ہے کیونکہ اگر یہ بھی وہی درجہ رکھتی۔ تو اس کے لئے بھی قرآن میں یہ الفاظ لائے جاتے کہ من یطع الامام فقد اطاع اللہ والرسول یعنی جس نے امام کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی۔ مگر قرآن میں کہیں بھی ایسا ذکر نہیں۔

مسئلے قرآنؐ امامِ وقتؐ کو مسندِ رسالت پر نہیں بٹھاتا اور نہ بٹھایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں اطاعتِ رسول اور اطاعتِ امام کی حد بندی کر دی گئی ہے کہ اللہ کے رسولؐ جو کچھ فرماتے ہیں۔ وحی سے فرماتے ہیں اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں کہتے۔ مگر امام کے لئے وحی کا آنا ثابت نہیں۔ لہذا خواہشِ نفس سے بولنا ظاہر ہے اور نہ ہی وہ معصوم ہے۔ نیز جو خصوصیات اطاعت الرسولؐ کو حاصل ہیں وہ اطاعت امام کے لئے ثابت نہیں۔ مثلاً

۱۔ اپنے ہر معاملہ کو رسول کے سپرد کر دینا۔ پھر اس کے ہر فیصلہ کو حق سمجھنا۔ اور اس پر ایسی خوشی سے راضی ہو جانا کہ خلاف ہونے کی صورت میں دل کے اندر بھی کوئی تنگی محسوس نہ ہو۔

۲۔ اس کے فیصلہ کا کہیں اپیل نہ ہونا۔

۳۔ اس کے فیصلہ پر رضامندی شرطِ ایمان ہونا۔

۴۔ اس کا ہر فیصلہ ناطق ہونا۔

۵- اس کی اطاعت میں ہدایت منحصر ہونا وان تطیعوہ تھتدوا۔ اگر تم اس کی اطاعت کروگے۔ تو یقیناً راہِ ہدایت پاؤ گے۔

۶- اس کی اطاعت کا بعینہٖ خدا کی اطاعت ہونا۔

۷- اس کی اتباع میں خدا کی محبت اور گناہوں کی مغفرت کا یقینی حاصل ہونا۔

۸- کسی خاص مشورہ کی مجلس میں اس سے استیذان لازم ہونا اور اس اجازت کا معیار کمالِ ایمان ہونا۔

۹- اس کی اطاعت کے لئے کسی دلیل کا محتاج نہ ہونا"

(ترجمان السنہ جلد ا صفحہ ۱۵۷)

مزید براں آپ سارا قرآن مجید پڑھ جائیں آپ کو حضور کے لئے کہیں بھی امام کا لفظ نہیں ملے گا۔ ان کا مولا پاک نے جہاں بھی ذکر فرمایا ہے رسول کی حیثیت سے فرمایا ہے۔ جیسا کہ

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ — اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جاتا ہے اسکو آپ دوسروں تک پہنچا دیجئے

اور اگر حضور کی حیثیت امام کی سی ہوتی تو حق تعالے کے لئے حضور کے لئے امام کا لفظ استعمال کرتے میں کوئی امر مانع نہیں تھا۔ ایسے حالات میں جبکہ

۱- امام کے لئے وحی نہیں آتی۔

۲۔ وہ نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا۔

۳۔ حفاظتِ ربانی اسے حاصل نہیں ہوتی۔

۴۔ وہ جو کچھ فیصلہ کرتا ہے اپنی صوابدید، فہم اور علم سے کرتا ہے اس کی اطاعت کو اطاعتِ رسول کے برابر ٹھہرانا۔ نعوذ باللہ حضورؐ کے منصبِ رسالت کو گرانا اور گھٹانا ہے اور ہر کہ و مہ کو ان کی مسند پر بٹھانا ہے۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے اسلم صاحب فرماتے ہیں کہ

"۱۔ آپ کا منصب امامت یعنی امت کا انتظام کرنا تھا۔ اور اس کو قرآن کے مطابق چلانا تھا"۔ تو گویا اسلم صاحب کے نزدیک حضورؐ کی حیثیت معلم القرآن کی ہی ٹھہری کہ جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا گیا۔ حضورؐ اس پر عملاً تعمیل فرما کر لوگوں کو اس کی تعلیم و تربیت دیتے رہے کہ تمہیں آئندہ کے لئے ہمیشہ ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ اسلم صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ امامتِ کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی قیامت تک کے لئے مستمر ہے"۔ اور

"۲۔ یہ امامت آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ ہمیشہ رہنی چاہیئے"

تو یہ امامت ان علماءِ حق کا حق ہوئی۔ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور جن کو پرویز اینڈ کو بوجہ اطاعت اللہ و اطاعت الرسولؐ گردن زدنی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر پرویز کے اس فیصلہ سے ظاہر ہے۔

جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں رہے صدقات نکلتے رہیں گے۔ زکوٰۃ دی جاتی رہے گی۔ قربانیاں ہوتی رہیں گی۔

لوگ حج بھی کرتے رہیں گے۔ اور قوم بدستور بے گھر بے در بھوکی ننگی۔ اسلام کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی۔

(قرآنی فیصلے صـ۵۲)

یا اس جانشینی کا حق پرویز اینڈ کو کو پہنچتا ہے۔ جو قرآن کی صرف معنوی تحریف ہی نہیں کرتے بلکہ اس سے صاف انکار اور بغاوت بھی کرتے ہیں کیونکہ

۱۔ مولا پاک فرماتے ہیں کہ رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور مسٹر پرویز فرماتے ہیں کہ "اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں۔ حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا۔"

(معارف القرآن جلد ۴ صـ۶۸۶)

اب آپ ہی بتائیں کہ یہ خدا کی اطاعت ہوئی یا اس سے بغاوت کہ خدا کہے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور مسٹر پرویز کہے میں نہیں کرتا۔

۲۔ مولا پاک نے فرمایا "رسولؐ جو کچھ تم کو حکم دیا کریں۔ وہ مان لیا کرو اور جس بات سے روکیں۔ تم رک جایا کرو"۔ (۷ الحشر ۵۹) چنانچہ مخبر صادق نے فرمایا کہ "قرآن کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا"۔ مسٹر پرویز نے ان کے اس فرمان کو یوں جھٹلایا کہ

"یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے"۔ (قرآنی فیصلے صـ۱۰۲)

اسی طرح رسول اللہ نے فرمایا کہ:۔

دینِ اسلام کی بنیادیں پانچ باتوں پر ہے (۱) توحید و رسالت کی

یعنی شہادت (۲) نماز (۳) زکواۃ (۴) حج (۵) رمضان کے روزے
(مشکوٰۃ صلا)

اور مسٹر پرویز نے لکھا کہ یہ باتیں دین نہیں محض رسمیں ہیں :-
"دین اس ضابطہ زندگی کا نام ہے۔ جسے قرآن نے متعین کیا ہے
اور مذہب ان عقائد و رسوم کا نام ہے۔ جو ہم میں مروج ہیں۔"
(اسلامی نظام ص۲۶)

وہ رسوم کون سی ہیں ؟ ان کی نشان وہی مسٹر پرویز یوں کرتے ہیں :-
"اب ہماری صلوٰۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا اپشور بھگتی
کہلاتی ہے۔ ہمارے روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں برت
کہتے ہیں۔ ہماری زکواۃ وہی ہے جسے مذہب دان یا خیرات
کہہ کر پکارتا ہے۔ ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے۔ ہمارے ہاں
یہ سب کچھ اسلئے ہوتا ہے کہ اس سے ثواب ہوتا ہے۔ اور ثواب
سے نجات ملتی ہے۔" (قرآنی فیصلے ص۳۰۱)

یہاں تک کہ ان کے نزدیک نماز بھی عبادت نہیں۔ بلکہ
"نماز خدا کی پرستش کی رسم ہے۔ جو ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل
میں موجود ہے۔ اور پارسیوں کے ہاں اس کا نام تک بھی یہی ہے۔"
(قرآنی فیصلے ص۲۷)

اسی طرح زکواۃ کو "سرکاری ٹیکس" قرار دینے کے بعد خدائی حکم واتوا الزکواۃ کو
یوں منسوخ کرتے ہیں :-

"آج کل زکواۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حکومت ٹیکس وصول کر رہی ہے اگر یہ حکومت اسلامی ہو گئی۔ تو یہی ٹیکس زکواۃ ہو جائیگا ایک طرف ٹیکس اور دوسری طرف زکواۃ۔ قیصر اور خدا کی غیر اسلامی تفریق ہے اور مسلمانوں جیسی مفلس قوم کو مفلوک تر بنانے کا ذریعہ۔"

(قرآنی فیصلے ص۳۷)

روزوں کو بدعت قرار دینے کے بعد (جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے) حج متعلق لکھا:۔

"یہ (بھی) رسم ہے۔ اسلامی معاشرہ کا جزو نہیں ہے" (قرآنی فیصلے ص۳۰)

حج کے اجتماع کا مقصد ہی یہی تھا کہ ملت اسلامیہ کے نمائندے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس سے ساری دنیا میں آئین خداوندی نافذ ہو سکے۔"

(قرآنی فیصلے ص۶۲)

"اب تو حج اپنے مقصد کو چھوڑ کر محض "یاترا" بن کر رہ گیا ہے"

(قرآنی فیصلے ص۶۳)

حالانکہ خداوند تعالے نے کسی کانفرنس کرنے کے لیے حج کا فریضہ مقرر نہیں کیا بلکہ صاف اور صریح حکم دیا ہے کہ

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا	اور اللہ کے واسطے (ان) لوگوں کے ذمہ اس گھر کا حج کرنا ہے۔ جو اس کی طرف راہ چلنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔
(عمران ۱/۱۰ع)	

۳-حق تعالے نے فرمایا۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (حج ۵/۱۷)

ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی مقرر کر دی ہے۔ تاکہ وہ ان چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر)

سو اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی دو

رسول اللہ نے فرمایا۔

یا ایھا الناس ان علی کل بیت فی کل عام اضحیۃ

اے لوگو ہر گھر پر جو استطاعت رکھتا ہو ہر سال قربانی کرنا واجب ہے۔

مسٹر پرویز نے یہاں بھی خدا اور رسول کی اطاعت سے صاف انکار کرتے ہوئے لکھا۔

"یہ جو ہم بقرعید کے موقعہ پر ہر شہر اور ہر قریہ، ہر گلی اور ہر کوچہ میں بکرے۔ گائیں ذبح کرتے ہیں۔ یہ ایک رسم ہے۔ جو ہم میں متوارث چلی جا رہی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۷۷)

لہذا ہر جگہ قربانی دینا نہ حکم خداوندی ہے۔ نہ سنت ابراہیمی اور نہ ہی سنت محمدی۔ (قرآنی فیصلے ص۶۵)

۴-حق تعالے نے فرمایا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (بقرہ ۲۷/۲)

سو تم دنیا و آخرت کے معاملات کے متعلق فکر کرو۔

پرویز نے اس حکم خداوندی کی بھی تردید کی اور لکھا کہ

متاعِ دنیا سے مفہوم ہوتا ہے وہ مفاد جو انسان صرف اپنی ذات کے لئے تلاش کرتا ہے اور سامانِ آخرت سے مقصود ہوتا ہے وہ متاع جسے وہ آنیوالی نسلوں کے لئے جمع کرتا ہے۔

(اسبابِ زوالِ امت صـ ۲۹)

اور اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت سے بے فکر ہو جانے کا سبق پڑھایا اور ساتھ ہی جنت و جہنم کا بھی بزعمِ خود یوں خاتمہ کیا۔

سلسلۂ ارتقا میں آگے بڑھ جانا جنت کی زندگی ہے۔ نشوونما کی صلاحیت کے سلب کر چکنے کے بعد سلسلۂ ارتقا میں رک جانے کا نام جہنم کا عذاب ہے۔ اسلئے جنت یا جہنم کسی خاص مقام کا نام نہیں۔ کیفیاتِ زندگی کی تعبیر ہے۔

(طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء صـ ۲۴)

اور اس کے بعد مسٹر پرویز اپنے مرشد و آقا مارکس لینن کے الفاظ میں مسلمانوں کو اشتراکیت کی یوں تعلیم دیتے ہیں:۔

اگر مسلمان مزید ذلت و خواری سے بچنا چاہتا ہے۔ تو اسے بہرحال مذہب کو چھوڑنا ہوگا۔ (طلوعِ اسلام فروری ۱۹۵۲ء صـ ۴۹)

کیونکہ بقول مسٹر پرویز نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قربانی وغیرہ سب مذہبی رسوم ہیں۔ اور مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں مانع۔

مسٹر پرویز کے قرآنی اسلام اور اس کی اطاعت اللہ کی چند

مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں۔ ان کو پھر اپنے سامنے رکھ کر۔ ذرا لینن کے اس حکم کو بھی پڑھئے۔

> نفس مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر فترا کی کیلئے فرد ہی ہے تا آنکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے۔

(لینر مقتبس۔ دسمبر ۱۹۰۵ء)

اور پھر بتائیے کہ مسٹر پرویز اطاعت اللہ کر رہے ہیں یا اطاعت لینن۔ یہ مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ کی طرف سے جانا چاہتے ہیں یا ماسکو کے سرخ چوک میں پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور وہ مکہ کی راہ دکھا ہی کب سکتے ہیں۔ جبکہ ان کے نزدیک مکہ بردہ فروشوں کا اڈا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

> آج دنیا میں شخصی حکومتیں نہیں باقی نہیں ہیں بجز مسلمانوں کی حکومتوں کے جس طرح بردہ فروشی کہیں باقی نہیں بجز مکہ کی گلیوں کے۔ (اسلامی نظام صہ ۳۸)

غرضیکہ قرآن کے یکسر معانی و مطالب بدل دینا۔ اسکے واضح احکام کو مذہبی رسوم کہہ کر ان سے مسلمانوں کو اجتناب کی ترغیب دینا دراصل اس پروگرام کا حصہ ہے۔ جو دنیا سے اسلام کو مٹانے اور کفر کو پھیلانے کیلئے لینن اور مارکس نے تیار کیا تھا۔ جن کی ذریت ضالہ سے ایک جماعت کھلے بندوں ملک میں اشتراکیت کے جراثیم پھیلانے میں مزدوروں اور سرمایہ داروں کو لڑا رہی ہے اور دوسری جماعت دعوتِ قرآن و اسلام کے پردہ میں مسلمانوں کو مذہب اسلام سے بیگانہ کرنے میں مصروف ہے اور مقاصد کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں ان دونوں میں۔

احادیث نبویؐ کا انکار

اطاعت الرسولؐ سے انحراف کا مقصد اس وقت تک پورا نہ ہو سکتا تھا جب تک معلم القرآن کی تعلیمات یعنی ذخیرہ احادیث کا انکار و ابطال نہ کیا جائے۔ اس لئے اشتراکیوں کے اس فقہی کالم نے اپنا زیادہ تر زور دین کے اس جزو اعظم کو حرف غلط کی طرح مٹانے پر صرف کیا جس کی جزئیات قرآن میں متعین نہیں۔ کیونکہ بقول مسٹر پرویز قرآن میں:-

> بعض اصول ایسے ہیں جن کی جزئیات بھی متعین کر دی گئی ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جن پر مرور زمانہ کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ناقابل تغیر و تبدل ہوں گے۔ ایسے احکام بہت تھوڑے ہیں۔ باقی اصول ایسے ہیں جن کی صرف حدود متعین کر دی گئی ہیں جزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ (اسلام نظام ص ۱۲)

اور یہ جزئیات معلم القرآن نے متعین کیں۔ جو دین کی اصطلاح میں شریعت کہلاتی ہیں۔ مثلاً اقیموا الصلوٰۃ کی ترکیب۔ زکوٰۃ کے نصاب کی تعیین۔ قربانی کی شرائط وغیرہ۔ لہٰذا ایسے اسلامی شعائر کا انکار اسی وقت ہی کیا جا سکتا تھا جب شریعت سازی کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

چھین کر خود سنبھال لیا جائے۔ چنانچہ پرویز اینڈ کو نے ایسا ہی کیا۔ اور بیک جنبشِ قلم یہ اختیارات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین کر ہر زمانے کی حکومت کے سپرد کر دیئے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :-

قرآن نے جن جزئیات کو خود متعین کر دیا ہے۔ وہ قیامت تک کے لئے ناقابل تغیر و تبدل ہیں۔ باقی امور کے لئے اس نے اصول مقرر کئے ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانے کی حکومت اسلامی اپنے زمانے کی مقتضیات کے مطابق عقل کی روشنی میں ان کی جزئیات خود متعین کرے گی۔ اور یہی جزئیات اس زمانے کے لئے نظامِ شریعت قرار پائیں گی۔

(اسلامی نظام صـ۳۶)

چنانچہ شریعت سازی کے اس پروگرام کی تکمیل کے لئے انہوں نے انکار و ابطالِ حدیث کی مہم شروع کی جس کی بنیاد اس دلیل پر رکھی کہ احادیث سرمایۂ دین نہیں اور اس کی تائید میں یہ وجوہات دیں کہ

۱۔ احادیث کی حیثیت دین کی تاریخ ہے (مقام حدیث جلد ۱ صـ۶۹)

۲۔ دین یقینی ہونا چاہیئے۔ ظنی شے (تاریخ) دین نہیں بن سکتی (ایضاً صـ۶۶)

۳۔ یقینی چیز قرآن کریم ہے جس کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا۔ (ایضاً)

۴۔ قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرم نے کسی چیز کو نہ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا۔ نہ سنا۔ نہ اس کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی۔ (ایضاً)

۵۔ حضورؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی نہ احادیث کا کوئی مجموعہ تیار
کرایا۔ نہ کوئی جماعت پیدا کی۔ جو انہیں یاد کرے۔ برعکس اس کے ایسی شہادتیں
پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضورؐ اور ان کے جانشینوں نے اس
کی مخالفت کی (ایضاً)

۶۔ احادیث کی وہ کتابیں جنہیں مستند سمجھا جاتا ہے یعنی صحیحین حضورؐ کے
قریب دو ڈھائی سو برس کے بعد مدوّن ہوئیں۔ (ایضاً صفحہ ۶۸)

۷۔ یہ روایات قرآن کریم کی طرح لوگوں میں لفظاً منتقل ہو کر نہیں آئی
تھیں۔ بلکہ ان کا مفہوم منتقل ہو کر آتا رہا۔ (ایضاً)

۸۔ احادیث کی کثرت سے ظاہر ہے کہ لوگوں نے حدیثوں کو وضع کیا
(مفہوم عبارت مقام حدیث جلد ۲ صفحہ ۲۱)

اسلئے ان امور پر ذرا تفصیل سے ذیل میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔

الف۔ حدیث کی دینی حیثیت

علم القرآن کے بعد علم الحدیث کا درجہ ہے جس کے متعلق مورخ اسلام
سید سلیمان ندویؒ کا ارشاد ہے۔

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو علم
حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح
تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا
رہتا ہے۔ آیات کا شانِ نزول اور ان کی تفسیر احکام القرآن

کی تشریح، تعیین اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ اور اخلاق و عادات مبارکہ اور آپ کے اقوال و اعمال اور آپ کے سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح خود اسلام کی تاریخ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و استنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بنا پر اگر یہ کہا جائے۔ تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود و قائم ہے اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گا۔

(مقدمہ تدوین حدیث ص۳)

اس عقیدت کبریٰ کی تائید خود مسٹر غلام احمد پرویز کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ

قرآن میں بعض اصول ایسے ہیں جن کی جزئیات بھی متعین کر دی گئی ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جن پر مرور زمانہ کا کچھ اثر نہیں ہوگا اور وہ ہمیشہ کے لئے ناقابل تغیر و تبدل ہوں گے۔ ایسے احکامات بہت تھوڑے ہیں۔ باقی اصول ایسے ہیں جن کی صرف حدود متعین کر دی گئی ہیں۔ جزئیات متعین نہیں کی

گئیں۔ (اسلامی نظام صہ ۱۲)

ان جزئیات کا تعین خود معلم القرآنؐ نے اپنے قول و فعل سے کیا جسے حق تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ قرار دے کر قابل اتباع ٹھہرایا۔

مسٹر پرویز کے مذکورہ بالا بیان کو زیر غور لانے سے قبل اُن کی ان تصریحات کو بھی ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ

۱۔ یقینی چیز قرآن مجید ہے اور دین اسی کے اندر ہے (مقام حدیث صہ ۶۹ ج ۱)

۲۔ احادیث یقینی نہیں۔ ظنی ہیں۔ اسلئے یہ دین قرار نہیں پاسکتیں۔ انکی حیثیت تاریخ کی ہے (مقام حدیث جلد ا صہ ۶۳)

ان کو ذہن نشین کرنے کے بعد اُن کے ان الفاظ پر غور کریں۔ کہ

(قرآن میں) بعض اصول ایسے ہیں جن کی جزئیات بھی متعین کر دی گئی ہیں… (مگر) ایسے احکامات بہت تھوڑے ہیں۔

(بحوالہ مذکور)

جس کا مطلب بقول مسٹر پرویز یہ نکلا۔ کہ قرآن میں دین بہت تھوڑا درج ہے زیادہ تر دین "ان اصولوں" پر مشتمل ہے:۔

"جن کی قرآن میں صرف حدود متعین کی گئی ہیں۔ جزئیات متعین نہیں کی گئیں"۔

ان جزئیات کی تعیین خود معلم القرآنؐ نے قولاً و فعلاً کی۔ اور بقول مسٹر پرویز چونکہ

"احادیث نبی اکرمؐ کے اقوال و اعمال کے مجموعے کا نام ہے"۔
(مقام حدیث جلد ا صہ ۶۲)

اس لیے لازمی طور پر دین کا جزو اعظم احادیث ٹھہریں۔ جسے مورخ اسلام نے علوم اسلام کی "شہ رگ" قرار دیا ہے۔ دشمنان اسلام اسی "شہ رگ" کو روز اول سے کاٹنے کے درپے ہیں تاکہ اسلام کے نظام رشد و ہدایت کو اتنا بگاڑ دیا جائے کہ ھوی ہدیٰ پر غالب آ جائے اور عبد و معبود کے درمیان ہادیٔ یا ان کی ہدایات حائل نہ رہیں۔ بلکہ انسان اتباع ھویٰ کیلئے ہر طرح آزاد ہوجائے جیسا کہ مسٹر پرویز کی اس خواہش سے ظاہر ہے۔

اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ وہ انسان اور خدا کے درمیان براہ راست تعلق پیدا کر دے۔ ایسا تعلق کہ عبد و معبود کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ اور ان کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ ہو اور اس طرح انسان کو جسے فطرت نے آزاد پیدا کیا تھا ساری دنیا کی غلامی سے نجات پا کر صحیح معنوں میں آزادی حاصل کر لے۔ (مقام حدیث جلد ا صـ۹)

یہی وہ آزادی تھی جس کے حصول کے لیے راہب تبت یدا ھ نے سب سے پہلے تحریک انکار قرآن و حدیث کی بنیاد رکھی۔ امام الضالین اور اسکی ذریت ضالہ نے لوگوں کو قرآن سے منحرف کرنے کے لیے جو جو چالیں چلیں ان کا پتہ خود حق تعالیٰ کے ان تردیدی بیانات سے لگتا ہے کہ

یہ کلام پاک کسی شاعر کاہن کا کلام نہیں (الحاقہ $\frac{۲}{۴}$) نہ یہ کسی شیطان مردود کی لکھی ہوئی بات ہے (التکویر $\frac{۱}{۲}$) نہ یہ نبی کا خود ساختہ ہے کیونکہ وہ تو ان پڑھ ہیں (الاعراف $\frac{۲}{۹}$) لکھنا پڑھنا

نہیں جانتے تھے (العنکبوت ۵/۲۱) انہیں خود خدا نے قرآن کی تعلیم دی (الرحمٰن ۱/۲۷) یہ قرآن ایسا نہیں جسے اللہ کے سوا کوئی اور بنا لیتا (یونس ۴/۱۱) اگر ایسا ہونا ممکن ہے تو تم اس جیسی کوئی صورت بنا لاؤ (البقرہ ۳/۲)

جب ان کی یہ تمام چالیں ناکام ہو گئیں۔ تو انہوں نے پیغمبر خدا کے قول و کردار (احادیث) کو جھٹلانے کی کوشش کی جس کی تردید حق تعالےٰ نے خود احادیث یعنی رسول اللہ کے قول و کردار سے رسول اللہ کی زبانی یوں کرائی کہ

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ۲/۱۱)

کہ اس سے پہلے بھی تو میں عمر کا ایک بڑا حصہ تم میں گزار چکا ہوں۔ پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے کہ میں نے کبھی کوئی بات غلط کہی ہو یا کی ہو۔

اب آپ ازرہِ انصاف اندازہ لگائیں کہ جب خود خدا تعالیٰ اپنے کلام پاک میں اپنے رسولؐ کے قول و فعل یعنی احادیث کو حجت ٹھہرا رہا ہو اور ان کی امانت و دیانت و صداقت کی تائید میں ان کی حیاتِ نبوی سے قبل کی چالیس سالہ زندگی کو بطور ثبوت پیش کر رہا ہو۔ تو اس کے مقابلہ میں مسٹر پرویز کا یہ کہنا کہ

"احادیث دین قرار نہیں پا سکتیں" (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۲۶)

یا ان کے استاد علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا یہ اعلان کرنا کہ

"نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے۔ نہ اس پر ہم کو ایمان لانے کا حکم

دیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام ص۱۷ دسمبر ۱۹۵۰ء)

نیک نیتی پر مبنی ہے یا بد نیتی پر۔ اگر حضور کا وہ قول و فعل جو حیاتِ نبوی سے پہلے کا ہے اور زندگی کے پورے چالیس سالوں پر مشتمل ہے عند اللہ حجت قرار پا سکتا ہے۔ تو حیاتِ نبوی کے اقوال و افعال و احوال حجت کیوں نہیں ہو سکتے۔ جبکہ ان کو یہ مزید خصوصیت بھی حاصل ہے کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۱/۲۷)

آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے رہتے بلکہ انکا ارشاد نری وحی ہے۔ جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء ۷/۱۷)

ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(آل عمران ۷/۴)

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں کا رسول بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور ان کے اخلاق کو سنوارتے ہیں اور ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۲/۲۱)

(فلاحِ دارین کیلئے) خدا کے رسول میں تمہارے لئے پیروی کا اچھا نمونہ ہے

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین۔ آئمہ سلف علماء اور جمہور مسلمین نے متفقہ طور پر قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی جزو دین کے طور پر اپنی عملی زندگی میں شامل کر لیا۔ اس پر خود حضورؐ کے سامنے عمل کیا۔ اور حضور نے نکیر نہ فرمائی۔ اگر حدیث حجت نہ تھی تو وہ سلطان الصادقین لوگوں کو فوراً روک دیتے کہ میرا اتباع مت کرو۔ صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں ہیں۔ زکوٰۃ جس قدر مرضی آئے دو۔ حج پر سب کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اسلامی ممالک کے نمائندے آکر اپنی بین الملی کانفرنس کر لیا کریں۔ نہ قربانی کی فضول خرچی کرو۔ جیسا کہ پرویزیا منکرو کے عقائد ہیں۔

منافقین و ضالین جب لوگوں کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز نہ رکھ سکے۔ تو انہیں اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ دین کے اس صاف و شفاف چشمہ کو گدلا کر دیا جائے۔ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ لوگ رسول اللہ کے قول و فعل پر آنکھیں بند کر کے ایمان نہ لا سکیں۔ ان کے دلوں میں ایسے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ رسولؐ کے قول و فعل پر آنکھیں بند کر کے ایمان نہ لا سکیں۔ ان کے دلوں میں ایسے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ رسولؐ کے قول و کردار کو ہدف تنقید بنائیں اور ان پر عمل کرنے میں تامل سے کام لیں۔ چنانچہ اس پروگرام پر حیات نبویؐ کے قریباً دو سو سال بعد یعنی تبع تابعین کے زمانہ میں عملدرآمد شروع ہوا۔ جس کے ماتحت کفار و منافقین نے جعلی احادیث وضع کر کے ان کو سرمایہ دین یعنی احادیث نبوی میں خلط ملط کرنا شروع کر دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی و فقہ

نے بھی شیعت علیؓ سے مغلوب ہوکر یہی کام شروع کر دیا اور اس طرح دین میں خرابی پیدا کرنے کی ابتدا ہوئی۔ جسے مسٹر پرویز ان الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں۔

اس اڑھائی سو سال کے عرصہ میں ہزاروں ایسے منافق پیدا ہوئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کے لباس میں اپنی ظاہرداری کے تقویٰ اور ثقاہت کا سکہ جما کر لاکھوں حدیثیں وضع کیں اور انہیں ذاتِ رسالتمآب کی طرف منسوب کر کے آگے منتقل کر دیا۔ ان میں بعض کی منافقت کا پردہ چاک ہوگیا اور انہوں نے اپنی ان خبیثانہ حرکات کا اعتراف بھی کیا۔

(مقامِ حدیث جلد ا صفحہ ۵۵)

ان حالات نے علمارِ امت کو مجبور کیا کہ وہ دین کے اس چشمہ کو جو منافقین وضالین کی خبیہ ریشہ دوانیوں سے گدلا ہو چکا تھا۔ پھر سے صاف وشفاف کر دیں اور اس سرمایہ دین کو آخری شکل میں ضبط و ترتیب میں لے آئیں تاکہ آنیوالی نسلوں کو اس سلسلہ میں چنداں پریشان نہ ہونا پڑے۔

لاکھوں انسانوں کے سینوں اور سفینوں (بیاضوں) سے احادیثِ نبوی کا نکالنا اور ان کی جانچ پڑتال کر کے دودھ اور پانی کو الگ کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اور میرے خیال میں اس کارِ خیر کے لئے ان کے دلوں میں اس داعیہ کا پیدا ہونا حق تعالیٰ کے اس احسان کا ایک حصہ تھا جس کے ماتحت انہوں نے ہم میں سے ہی ایک رسول بھیج کر ان کے ذریعہ ہمیں قرآن کی تعلیم دلائی اور ہمارے اخلاق سنوارے۔

احادیث کو جمع کرنے اور ان کی صحت کرنے کیلئے ان بزرگانِ دین نے ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا جس کی آج تک دنیا میں نہ کوئی مثال پیدا ہو سکی ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ پیدا ہوگی۔ اور جس کے متعلق یورپ کے مشہور ڈاکٹر اسپرنگر مصنف سیرتِ رسولؐ (لائف آف محمدؐ) لکھتے ہیں۔

> دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری۔ نہ آج موجود ہے۔ جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ انسانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔
>
> (مقدمہ اصابی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آئمہ حدیث نے دین کا محفوظ سرمایہ جمع کرنے اور ـــــ ایک ایک حدیث کی تلاش و صحت کے لئے دنیا کے دور دراز ممالک کے سفر ایسے وقتوں میں کئے جبکہ موجودہ وسائل سفر یعنی ہوائی جہاز، ریل موٹر وغیرہ نام کو بھی نہ تھے۔ اور نہ ہی یورپ یا امریکہ کی طرح ایسے سکالروں کے اخراجاتِ سفر برداشت کرنے کے لئے اس وقت کوئی سوسائٹیاں موجود تھیں۔ بلکہ انہیں سب کچھ خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ کس لئے؟ محض دین کی خدمت کے لئے!

امام دارمی نے طلب حدیث میں حرمین۔ عراق۔ خراسان۔ شام اور مصر کا سفر کیا۔ مادر زاد نابینا ابو العباس رازی نے اپنی مجبوری و معذوری کے باوجود سماعتِ حدیث کے شوق میں بلخ۔ بخارا۔ نیشاپور اور بغداد کا سفر کیا اور حافظِ حدیث ہو کر لوٹے۔ حافظ بن مصرح نے حدیث کی سماعت سعید

بن الاعرابی سے مکہ مکرمہ میں۔ ابن راشد سے دمشق میں۔ قاسم بن اصبغ سے قرطبہ میں ابن سلیمان سے طرابلس میں۔ محمد سے مصر میں اور دیگر مشائخ سے جدہ۔ صنعا اور بیت المقدس میں جا کر کی۔ اسی طرح امام بخاری نے دو دفعہ مصر و شام کا۔ چار دفعہ بصرہ کا۔ چھ دفعہ حجاز کا اور متعدد بار کوفہ و بغداد کا سفر کیا۔ اور امام ابو حاتم اور امام بغوی نے ہزاروں میلوں کا سفر طے کر کے ان ممالک کی سیاحت کی جہاں جہاں راویانِ حدیث موجود تھے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک اُس زمانہ میں جدہ سے قرطبہ۔ صنعا سے طرابلس اور عراق سے مصر تک کا سفر ایسا تھا۔ جیسے آج کل کراچی سے لندن اور لندن سے واشنگٹن کا ہوائی سفر۔

اتنی جدوجہد اور تگ و دو کے بعد جب احادیث کے دفتر جمع ہو گئے تو اصلی اور جعلی احادیث کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لئے اصول و قواعد مرتب ہوئے۔ جن کی رو سے اُن احادیث کو صحیح قرار دیا گیا۔ جن کے راوی میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی گئیں :-

۱۔ صادق ہو۔ یعنی راوی سچا ہو۔ کبھی جھوٹ نہ بولتا ہو۔
۲۔ صحیح الفہم ہو۔ غبی اور بے عقل اور بد فہم نہ ہو۔ حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو۔
۳۔ صحیح الحافظہ ہو۔ یعنی نسیان اور وہم کا غلبہ نہ ہو۔
۴۔ ثقہ اور [illegible] یعنی فاسق و فاجر اور بدکار نہ ہو۔
۵۔ محتاط ہو۔ [illegible] میں سہل انگاری سے کام نہ لیتا ہو۔

۶۔ جعلی حدیث بنانے کی اس پر کوئی تہمت اور شبہ بھی نہ ہو۔

۷۔ معروف ہو مجہول نہ ہو۔ یعنی اہل علم اور اہل تقویٰ اس کے نام نسب۔ کردار اور اس کے علم، حفظ ثقاہت سے واقف ہوں۔ اور ان کی نظر میں اس کی رفتار و گفتار اور حال و کردار قابل اعتراض نہ ہو۔

۸۔ روایت میں کسی قسم کا اختلاف اور تعارض نہ ہو۔

۹۔ سلسلۂ سند اول سے آخر تک متصل ہو۔ یعنی درمیان میں سے کوئی راوی رہ نہ گیا ہو۔

۱۰۔ سلسلۂ سند جس شخص پر منتہی ہو۔ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ جس امر کو وہ روایت کر رہا ہو۔ بذاتِ خود اس واقعہ میں شریک رہا ہو قول ہو تو کانوں سے سنا ہو۔ فعل ہو تو آنکھوں سے دیکھا ہو۔

(حجیتِ حدیث ص۳۸)

اس کے مقابلہ میں ان احادیث کو موضوع ٹھیرایا گیا۔ جن میں یہ علامات پائی گئیں:۔

۱۔ نصِ قرآن کے مخالف ہو۔

۲۔ سنتِ متواترہ کے خلاف ہو۔

۳۔ اجماعِ قطعی یعنی اجماعِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہو۔ توجیہہ تاویل کی اس میں گنجائش نہ ہو۔

۴۔ عقل سلیم کے خلاف ہو یعنی عقول سلیمہ اسکو عقلاً محال سمجھتی ہوں۔

۵۔ شریعت کے قواعد کلیہ اور مسلمہ کے خلاف ہو۔

۶۔ سلسلۂ سند میں کوئی راوی بھی ایسا ہو کہ جس کا ایک مرتبہ بھی مدت العمر میں جھوٹ ثابت ہو گیا ہو۔ اس کی کوئی روایت بھی باجماع محدثین معتبر نہیں۔

۷۔ راوی رافضی ہو اور صحابہ کے مطاعن کے متعلق کوئی روایت کرے یا راوی خارجی ہو اور اہل بیت کے مطاعن کے بارہ میں کوئی روایت کرے۔

۸۔ قرینۂ حال اس کے کذب پر شاہد ہو۔ مثلاً بادشاہ کے دربار میں بادشاہ کی خوشنودی کے لئے برجستہ کوئی حدیث بیان کرے۔

۹۔ اس روایت کا مضمون ایسا ہو کہ جس کا جاننا تمام مکلفین پر فرض ہو۔ اور نہ جاننے کے لئے کوئی عذر بھی نہ ہو مگر بایں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی نہ ہو۔

۱۰۔ جس زمانہ کا واقعہ بیان کرے وہ تاریخی شہادت کے صریح خلاف ہو۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جنگِ صفین میں شریک ہونا بیان کرے۔ جو صریح کذب ہے کیونکہ وہ تو خلافتِ عثمانیہ کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے۔ اور جنگ صفین اس کے بعد ہوئی۔

۱۱۔ حدیث کے الفاظ یا معانی ایسے رکیک ہوں کہ قواعد عربیت

کے مطابق نہ ہوں یا شانِ نبوت و رسالت کے مناسب نہ ہوں۔

۱۲۔ معمولی کام پر غیر معمولی ثواب اور اجر کا وعدہ ہو یا معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

۱۳۔ حدیث کسی ایک ایسے محسوس اور مشاہد واقعہ کے بیان پر مشتمل ہو کہ اگر وہ وقوع میں آتا تو ہزاروں اس کے روایت کرنے والے ہوتے۔ مگر باایں ہمہ سوائے اس ایک راوی کے اور کوئی روایت کرنے والا نہیں۔

۱۴۔ یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔

۱۵۔ واضع حدیث۔ خود حدیث کے وضع کرنے کا اقرار کرے جیسا کہ نوح بن عصمہ نے کیا کہ میں نے ایک ایک سورت کی فضیلت میں حدیثیں وضع کیں۔ (حجیتِ حدیث صفحہ ۹۰)

احادیث کی صحت و تنقید کا یہ وہ معیار تھا جس پر ہر حدیث کی سند اسکے راوی کے صدق و کذب۔ اس کے ثقہ اور غیر ثقہ۔ اس کے حافظہ کی قوت و ضعف کو زیر بحث لا کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا جس کا بامر مجبوری مسٹر پرویز کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ کہ

(۱) ارباب جرح و تعدیل نے یہ ضرور کیا کہ ایک حدیث میں جس قدر راویوں کا سلسلہ آتا ہے۔ ان کے متعلق بڑی کد و کاوش

سے یہ تحقیق کی کہ وہ ثقہ تھے۔ پرہیزگار تھے۔ متقی تھے"۔
(مقام حدیث جلد ا صـ۵۴)

(۲) "اس میں شبہ نہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے کا یہ اصول بھی قرار دیا
گیا ہے کہ وہ قرآن کے خلاف نہ ہو"۔ (مقام حدیث جلد ا صـ۶۹)

اس اقرار کے بعد اب ان سے اس اعتراض کو بھی زیر غور لائیں کہ
"احادیث یقینی نہیں ظنی ہیں۔ اسلئے یہ دین قرار نہیں پا سکتیں ان
کی حیثیت تاریخ کی ہے"۔ (مقام حدیث جلد ا صـ۶۳)

اس اعتراض کے بعد ان کا تجاہل عارفانہ بھی قابل ذکر ہے۔ فرماتے ہیں۔
"امام بخاری کے پاس کون سی سند تھی جس کے مطابق انہوں نے
جن تین ہزار احادیث کو اپنے مجموعے میں داخل کر لیا ہے"
(مقام حدیث جلد ا صـ۵)

مگر جن کے متعلق ان کے استاد حافظ محمد اسلم جیراج پوری یہ بیان فرماتے ہیں کہ
"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے امام بخاریؒ نے
اپنے شروط کی مراعات میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہوگی۔ کیونکہ
وہ جرح و تعدیل کے مسلم اور مستند امام ہیں"۔ (مقام حدیث ج ا صـ۱۹۶)
اور پھر فیصلہ فرمائیں کہ جس شخص کے خود اپنے کلام میں اتنا تعارض پایا جائے
وہ ان کے مقابلہ میں کس طرح معتبر ہو سکتا ہے۔ جو کسی راوی کے کلام
میں اختلاف و تعارض کو صرف برداشت ہی نہ کرتے ہوں بلکہ اس کے ثقہ
و متقی ہونے کے باوجود اس اختلاف و تعارض کی بنا پر اس کا کلام قبول

کرنے سے انکاری ہوں۔

مزید براں یہ کتنا ظلم اور فریب ہے کہ احادیث کی صحت و تنقید کے اس زریں "اصول حدیث" کو صحیح سمجھنے اور قرار دینے کے باوجود انتہائی ہٹ دھرمی کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ پھر بھی یہ "تاریخ" ہی ہے۔ اگر فی الواقعہ تاریخی واقعات کی جانچ پڑتال کے لئے آئمہ فن تاریخ نے بھی ویسے اصول و شرائط وضع کی ہوتیں یا ان پر عمل کیا ہوتا۔ تو پھر بھی کوئی بات تھی اور ایسے مسٹر پرویز فی الفور اپنی تائید میں پیش کرتے۔ مگر نہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں مل سکا جس سے ثابت ہو کہ کبھی بھی آئمہ تاریخ نے تاریخی واقعات کو ان اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا ہو۔ بلکہ بقول حضرت العلامہ مولانا شبلی نعمانیؒ تاریخی روایات کی تو یہ حالت ہے۔ جن کو سید سلیمان ندوی نے اپنے خطبہ مدارس میں نقل فرمایا ہے:

"اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں۔ تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں۔ جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانہ بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی

اصول پر لکھی گئی ہیں۔ (خطباتِ مدراس صـ ۶۴)

بخلاف اس کے بقول مولانا موصوف۔

مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا۔ وہ اس سے زیادہ بلند تھا اسکا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبانی کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا۔ اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں۔ اسکے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ انکا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کردیں۔ ایک ایک شہر میں گئے۔ راویوں سے ملے۔ ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے۔ انہی کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم لاکھوں شخصوں کے حالات معلوم ہوسکتے ہیں

(خطبات مدراس صـ ۶۵)

جس سے متاثر ہو کر حضور کے سوانح نگار ریورنڈ باسورتھ اسمتھ کو بھی کہنا پڑا کہ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو یہاں پورے دن کی روشنی ہے۔ جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر

ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔ (محمد اینڈ محمڈنیزم صفحہ ۱)

اب اس بات کا آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو سینکڑوں بلکہ ہزاروں محدثین اپنی عمریں صرف راویانِ حدیث کے قول و کردار کی تصدیق میں ان کے عہد یا قریب العہد میں صرف کر کے سرمایہ دین ترتیب دے گئے۔ ان کی تحقیق زیادہ صحیح ہے یا جو آج پونے چودہ سو سال بعد واقعات کی روشنی میں نہیں اپنی عقل بصیرت کی روشنی میں ان تصدیق شدہ واقعات کو "تاریخ" کہہ کر جھٹلا رہے ہیں۔ انکی ریسرچ صحیح ہے جس کے متعلق پرویز کے اپنے دل کی دھڑکن اور خوف کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ

میری بصیرتِ فرقانی نے مجھے جس نتیجہ تک پہنچایا ہے مسلمان اسے سننے کے لئے ابھی تیار نہیں (اسباب زوالِ امت صفحہ ۱۱۵ از پرویز)

اور جن کی ہٹ اور ضد خود ان کے اپنے ان الفاظ سے ظاہر ہے

ایک شخص کا متقی و پرہیزگار ہونا اس بات کے لئے مستلزم نہیں کہ اس کی یادداشت بھی اچھی ہو اور اگر یادداشت بھی درست ہو۔ تو یہ ضروری نہیں کہ اس میں حقائق و معارف کے سمجھنے کی کما حقہ استعداد ہو۔ (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۵۳)

اور جب "یادداشت" کے فریب کا پردہ چاک ہو جانے کا خیال آیا تو جھٹ سے یوں پینترا بدلا۔

اگر کچھ احادیث کسی نے اپنے طور پر یاد بھی کر لی ہوں تو امت کے لئے وہ سند نہیں ہو سکتیں۔ (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۴۴)

اور جب اسکے سند ثابت ہونے کا خوف پیدا ہوا۔ تو اس گریز پائی پر اتر آئے

اگر یہ کسی طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر صحیح ہے۔ تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضور کے زمانۂ مبارک میں دین کے فلاں گوشہ پر کس طرح عمل کیا گیا تھا۔ اگر ہمارے زمانے کا مرکزِ حکومت قرآنی سمجھے کہ اس عمل میں کسی رد و بدل کی ضرورت نہیں۔ تو اسے علیٰ حالہٖ رائج کرے اور اگر سمجھے کہ ہمارے زمانہ کے اقتضاآت اس میں رد و بدل چاہتے ہیں۔ تو اس میں رد و بدل کرے۔ (مقامِ حدیث جلد ۱ صفحہ ۲۶)

اس مرحلہ پر ذرا پھر مسٹر پرویز کے اُن الفاظ کو سامنے لائیں (جن کا شروع میں ذکر آ چکا ہے)

عبد و معبود کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ اور ان کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ ہو اور اس طرح انسان کہ جسے فطرت نے آزاد کیا تھا۔ ساری دنیا کی غلامی سے نجات پا کر صحیح معنوں میں آزادی حاصل کر لے۔ (مقامِ حدیث جلد ۱ صفحہ ۹)

اور پھر داد دیں کہ وہ کس معصومانہ عیاری و مکاری سے قرآن و اسلام کے پردہ میں لوگوں کو دین کی پابندی اور اللہ و رسول کی اطاعت سے منحرف کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے کیسے کیسے عجیب و غریب ہمرنگ زمیں دام بچھا رکھے ہیں جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور جن کا ماتم مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی ان الفاظ میں کر گئے ہیں کہ

جن لوگوں کی نظر ملل و نحل اور علم کلام و عقائد اور تاریخ کے فرق پر ہے وہ آسانی سے اس بات کو مان لیں گے کہ اسلام میں جتنے باغی فرقے پیدا ہوئے۔ وہ وہی ہیں۔ جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا۔ خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا۔ ان کے مقابل کے فرقہ نے کتاب کو محرف بنا کر چھوڑا اور صرف اپنے ائمہ کی سنت کی پیروی کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو تاویل تسلیم کیا اور حدیث سے اعراض کیا۔ اور راہ راست سے دور ہٹ گئے جو کچھ پہلے ہوا وہ آج بھی ہو رہا ہے۔ سرسید کے زمانہ سے احادیث کا فن ناآشنایانِ فن کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ چونکہ ان کے خود ساختہ عقل کے معیار پر جو چیز پوری نہیں اترتی۔ اگر وہ قرآن پاک کی کوئی آیت ہے۔ تو اس کی دوراز کار تاویل اور اگر حدیث ہے۔ تو اس سے انکار کر کے اپنے زعم میں اسلام کے چہرہ سے اس کے خلاف عقل ہونے کا داغ مٹانا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ داغ سمجھ سمجھ کر خدا جانے اسلام کی صحیح تصویر کے کتنے اجزا کو مٹاتے ہیں۔

(مقدمہ تدوین حدیث صفحہ ۸)

جیسے مسٹر پرویز اسلام کے چہرہ سے مذہب کا داغ مٹانا چاہتے ہیں۔
اور نہایت ہی ناصحانہ انداز پر مضمون دو حالوں کی طرح فرماتے ہیں کہ

اگر مسلمان مزید ذلت و خواری سے بچنا چاہتا ہے۔ تو اسے
بہرحال مذہب چھوڑنا ہوگا۔ (طلوع اسلام فروری ۱۹۴۹ء ص۱)

اور اسی لئے وہ دین کے جزو اعظم یعنی سرمایۂ احادیث کو تاریخ ظاہر کر رہے ہیں تاکہ مسلمان ان پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔ حالانکہ خود ان کی اپنی تحریروں سے احادیث کا دین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حضور کے قول و فعل یعنی احادیث کو دین تسلیم نہ کرنے کے سلسلہ میں سب سے پہلے مسٹر پرویز کی دلیل سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

اگر یہ حضرات (خلفاء راشدین) رضی اللہ عنہم احادیث کو دین کا جزو سمجھتے۔ تو جس طرح انہوں نے قرآن کریم کی عام نشر و اشاعت کا اہتمام فرمایا تھا۔ خلافت کی زیر نگرانی احادیث کا بھی کوئی مجموعہ مرتب کر کے کیوں نہ شائع کر دیتے۔

(مقام حدیث جلد ۱ ص۴۸)

اس دلیل کے بعد ان کا دعویٰ سنیئے۔

ہے کوئی جو اس سوال کا جواب دے، کہ اگر قرآن و حدیث دونوں دین کا جزو تھے۔ تو جس طرح رسول اللہ نے اُمت کو قرآن محفوظ شکل میں دیا۔ احادیث کا مستند مجموعہ بھی کیوں نہ دیا

(مقام حدیث جلد ۲ ص۲۱۳)

اگرچہ اس سوال کا جواب باصواب میں انشاء اللہ انہیں ماخذوں سے آگے حل کر دوں گا۔ جن کی مسٹر پرویز نے آڑ لی ہے۔ مگر اس مرحلہ پر میں مسٹر

پرویزانیڈکو اور دنیا کے ہرسلیم العقل انسان سے سوال کرتا ہوں۔

(۱) کیا کسی کی ہدایات و اقوال کا ضبط تحریر میں نہ آنا مگر اسکے متبعین کی اکثریت کا ان کو یاد رکھ کر ان پر عمل پیرا ہونا۔ ان کے غلط ہونے کی دلیل ہے؟

(۲) ہے کوئی جو اس سوال کا جواب دے کہ

اگر حضور کی احادیث یعنی اقوال و اعمال و احوال جزودین نہ تھے۔ تو خلفائے راشدین۔ دیگر صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین۔ آئمہ سلف صالحین نے ان کو دستور حیات بنا کر ان کی قدم بہ قدم اتباع و پیروی کیوں کی۔؟ جس کا ثبوت خود مسٹر پرویز کے اس بیان سے ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کے اقوال و افعال کو قلمبند کرنے کا اہتمام نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے پاس بجز قرآن کے کوئی دوسرا صحیفہ نہیں تھا۔ کسی ضرورت کے وقت اگر وہ کوئی حدیث بیان کرتے تھے۔ تو اپنے حافظہ سے بیان کرتے تھے (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۲۸۶) یعنی وہ قرآن کے ساتھ حدیث پر بھی عمل کرتے تھے۔

دنیا کے سلیم العقل تو کیا سقیم العقل انسانوں کو بھی اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان عاشقان رسولؐ نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو حضور کی احادیث یعنی اقوال و اعمال کے سانچے میں ڈھال کر محفوظ کر لیا تھا۔ جو آج تک عمل کی شکل میں دنیا کے اندر محفوظ ہیں اور تا قیام قیامت محفوظ رہیں گے۔ یہ تو ایک سوال کے جواب میں سوال پیدا ہو گیا جو دلی

پرویز کی دھجیاں اڑانے کے لئے کافی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا احادیث کے دین ہونے کا ثبوت خود پرویز کی تحریروں سے بھی ملتا ہے یا نہ۔ پرویز کے مذکورۃ الصدر مقالہ کے ان اقتباسات کو ذرا غور سے پڑھیں۔

(۱) قرآن کریم نے جن امکانات کی تفاصیل خود بیان کر دی تھیں ان میں نہ رسولؐ کو ردو بدل کا حق حاصل تھا نہ حضورؐ کے جانشینوں کو لیکن جن معاملات کے متعلق قرآن کریم نے محض اصولی احکام دیئے ہیں۔ ان کی جزئیات مرتب کرنے کا کام مرکز ملت کے ذمہ تھا۔ (مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۶۵)

اور مرکز ملت کی وضاحت مذکورۃ الصدر سطور سے کچھ پہلے یوں بیان فرمائی کہ

رسول اللہؐ جہاں ایک رسول تھے۔ وہیں آپ اس حکومت خداوندی کے اولین مرکز بھی تھے۔ لہذا آپ کی اطاعت جو بہ حیثیت امیر ملت اور مرکز امت کی جاتی تھی۔ خدا اور رسول کی اطاعت تھی۔

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۶۱)

یعنی جن معاملات کے متعلق قرآن نے صرف اصول بیان کئے اور جزئیات متعین نہیں کیں۔ ان اصولوں کی جزئیات معین کرنا مرکز ملت کا کام تھا اور اولین مرکز ملت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات تھی۔ اس اولین مرکز ملت کی احادیث یعنی ان کے اقوال و اعمال و افعال پر بحث کرتے ہوئے انہیں یوں فرماتے ہیں۔

لہذا اگر یہ اس طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی

طور پر صحیح ہے۔ تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضورؐ کے زمانۂ مبارک میں دین کے فلاں گوشہ پر کس طرح عمل کیا گیا۔ تھا۔

(مقام حدیث جلد ا ص ۶۶)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود حضورؐ کے زمانہ میں بقول مسٹر پرویز حضورؐ کی احادیث کو دین سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ..... آجکل ان کو دین کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے اور اس حیثیت سے ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس سے اگلے پیرا میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مسٹر پرویز نے لکھا:۔

اگر ہمارے زمانہ کا مرکزِ حکومت قرآنی سمجھے کہ اس عمل میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں۔ تو اسے علیٰ حالہ رائج کر دے اور اگر سمجھے کہ ہمارے زمانے کے اقتضاآت اس میں ردوبدل چاہتے ہیں۔ تو اس میں ردوبدل کر دے۔ یہ ہے احادیث کی صحیح دینی حیثیت۔

(مقام حدیث جلد ا ص ۶۶-۶۷)

دریائے دجل کے طوفان سے "احادیث کی صحیح دینی حیثیت" کی کشتی کا ڈوبنے کی بجائے ساحل حقیقت پر پہنچ جانا ایک ایسی کرامت ہے۔ جس کی تصدیق عربوں کی ضرب المثل الکذوب قد یصدق سے ہوتی ہے کہ جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ بقول حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی۔

جھوٹ بولنا ہی صدق کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔ اگر صدق حجت نہ ہوتا تو کذب کی ضرورت نہ ہوتی اس طرح وضع حدیث بھی حجیّتِ حدیث کی دلیل ہے۔ اگر حدیث حجت نہ ہوتی

تو وضعِ حدیث کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ (حجیت حدیث ص۱۰۲)

اس اصول سے حدیث کی حقیقت بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ اگر احادیث دین جزو اعظم نہ ہوتیں۔ تو مسٹر پرویز اینڈ کو انہیں تاریخ ثابت کرلے پر زور دیتے۔

ان حالات میں احادیث کی حقیقت خود بخود روشن ہوجاتی ہے کہ یہ تاریخ نہیں بلکہ جزو دین ہیں جیسا کہ خود مسٹر پرویز کی تحریروں سے ثابت ہے

اب اس سرمایۂ دین کے تاریخ بننے کی تاریخ مسٹر پرویز کے الفاظ میں سنیئے فرماتے ہیں :-

"یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم اپنی اصلی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرمؐ قرآن ہی کا اتباع کرتے تھے۔ اسلئے حضورؐ کا کوئی قول یا عمل قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ ان دو اصولوں کے بعد احادیث کو پرکھنے کا نہایت عمدہ معیار ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو حدیثیں قرآن کریم کے مطابق نہ ہوں انکے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ خواہ اس کے راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ قرار دیئے جائیں۔ جو احادیث اس طرح پرکھی جائیں۔ ان کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے ہاں قابل اعتماد تاریخ دین ہے"

(مقام حدیث جلد ۱ ص۳۷)

ایسے حالات میں جبکہ خود مسٹر پرویز کے قول کے مطابق

۱۔ قرآن میں ایسے واضح احکام بہت تھوڑے ہیں جن کی جزئیات بھی متعین کردی گئی ہیں۔ اور

۲۔ ایسے احکام بہت زیادہ ہیں۔ جن کی صرف حدود متعین کی گئی ہیں جزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ اور

۳۔ ان جزئیات کو سب سے پہلے اس وقت کے امام اور مرکزِ ملت (معلم القرآن) نے متعین کیا۔ جو

۴۔ قرآن ہی کا اتباع کرتے تھے اور

۵۔ ان کا کوئی قول یا فعل قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ اور

۶۔ حضور کا وہی قول و فعل ہی حدیث کہلاتا ہے۔

تو مسٹر پرویز کا حضور کے اس قول و فعل (حدیث) کو جو قرآن کے مطابق ہو۔ دین تسلیم کرنے سے انکار کرنا اور اسے تاریخ دین قرار دینا اور ان کے استاد حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا اس کے متعلق یہ اعلان کرنا کہ

نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے۔ اور نہ اس پر ہم کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام ص۱۲ دسمبر ۱۹۵۰ء)

ضد۔ ہٹ اور دین دشمنی نہیں تو اور کیا ہے۔ ختم اللہ علی قلوبھم کی اس سے زیادہ بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ حدیث کو دین سمجھتے ہیں۔ مگر مانتے نہیں۔ چنانچہ جب مسٹر پرویز سے کہا گیا کہ جب احادیث آپ کے نزدیک یقینی اور حجت نہیں تو پھر آپ ابطال حدیث کے سلسلہ میں ان کو بطور سند کیوں پیش کرتے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے استاد کے اعلان کی ان الفاظ

میں تصدیق کردی کہ

"اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب تم احادیث کو یقینی نہیں سمجھتے تو ان کو بطور دلیل کے پیش کیوں کرتے ہو؟ سو واضح رہے کہ یہ چیز بطور دلیل اُن کے پیش کی جاتی ہے۔ جو انہیں یقینی مانتے ہیں تاکہ وہ خود دیکھ لیں کہ خود احادیث بھی ان کے مسلک کے خلاف جاتی ہیں۔ ورنہ جہاں تک ہمارے لئے حجت شرعیہ اور اطمینانِ قلب کا تعلق ہے۔ الحمدللہ کہ اللہ کی کتاب کافی ہے"

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۲۴)

چونکہ ان لوگوں نے قرآن کے معنی و مفہوم بدل دیے ہیں۔ جن کی شرح و تفسیر احادیث میں موجود ہے۔ اسلئے انہیں مجبوراً اپنے معنی و مفہوم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے سرمایہ حدیث کو بھی جھٹلانا پڑا تاکہ قرآن کے وہی معنی و مفہوم صحیح سمجھے جائیں۔ جو یہ "اپنی بصیرتِ قرآنی" سے کرتے ہیں۔ ورنہ انہیں اس سلسلہ میں دماغ سوزی نہ کرنی پڑتی۔ اور نہ ہی انہیں دین کے اس جزو اعظم (احادیث) کی تاریخ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑتا۔ کیونکہ دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ تاریخ پر ضروری نہیں۔ جیسا کہ خود مسٹر پرویز لکھتے ہیں کہ

"تاریخ یا اخبارات ہمارے لئے دین کی حیثیت نہیں رکھتیں میرا جی چاہے۔ ایک واقعے کو صحیح تسلیم کر لوں۔ اور اگر اسکے خلاف میرے پاس دلائل ہوں۔ تو یہ کہہ کر رد کردوں کہ مجھے

اس کی صحت پر شبہ ہے..... مثلاً تاریخ میں لکھا ہو کہ فلاں بادشاہ نے فلاں مقام پر جھوٹ سے کام لیا۔ میں چاہوں تو اسے صحیح تسلیم کر لوں نہ چاہوں تو اسے مسترد کر دوں۔ نہ مجھ پر اس باب میں کوئی پابندی عائد ہوتی ہے۔ نہ میرے ایمان پر کوئی اثر پڑتا ہے..... یا مثلاً اخبار میں آپ دیکھتے ہیں کہ شہر میں کسی شخص نے ایک دوسرے شخص کی ناک کاٹ ڈالی تو اسے ماننا نہ ماننا آپ کے ایمان کا جزو نہیں۔

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۶۲-۶۳)

سو آپ نے مسٹر پرویز کی تصریحات کی روشنی میں دیکھ لیا کہ پرویز اینڈ کو سرمایہ حدیث کو تاریخ اسی لئے بتاتے ہیں تاکہ مسلمان اسے جزو دین و ایمان تصور کرنے سے باز رہے اور اس سلسلہ میں اسے یوں دھوکا دیا جاتا ہے کہ

۱۔ خود قرآن کو تاریخ پر مشتمل ہونے کا دعویٰ ہے۔

۲۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کا نام الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ رکھا۔ "ایام" سے تاریخ کے سوا اور کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔

۳۔ امام ابو حنیفہؒ، شاہ ولی اللہؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی تحریروں میں احادیث کے متعلق لفظ "تاریخ" استعمال کیا ہے جیسا کہ مقام حدیث جلد ۱ کے صفحات ۲۵۶ تا ۲۵۸ اور صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۷ سے ظاہر ہے۔ اور اس کے بعد خود کو حق بجانب قرار دینے

کے لئے یوں استہزا کرتے ہیں کہ:۔

"طلوع اسلام" اسی مسلک کی دعوت دینے کے جرم میں منکرِ حدیث فلہذا مرتد و ملحد قرار دیا جا رہا ہے۔ اب آپ خود ہی دیکھ لیجئے کہ اس معاملے میں کتنے بڑے "منکرین حدیث" اس کے ساتھ شامل ہیں۔ (مقام حدیث جلد ۱ صـ۲۵۸)

حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جن اکابر کا نام لیا گیا ہے۔ انہوں نے کہیں بھی لفظ تاریخ کو اس معنی و مفہوم میں استعمال نہیں کیا جس میں مسٹر پرویز اینڈ کو استعمال کرتے ہیں بلکہ انہوں نے احادیث کے متعلق لفظ تاریخ استعمال کرنے کے باوجود ہمیشہ احادیث کو سرمایہ دین سمجھا۔ صرف سمجھا ہی نہیں۔ بلکہ اُن پر بحیثیت جزو دین عمل بھی کرتے رہے اور کر رہے ہیں جیسا کہ ان کے علم و عمل سے ظاہر ہے۔

مگر پرویز اینڈ کو اپنی عادت سے مجبور ہے۔ وہ جب تک قرآن، اسلام اور اکابر اسلام کے نام کی آڑ نہ لے اس کا دجل و فریب کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے مسلمانوں کو اس معاملہ میں حسن ظن سے زیادہ حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیئے ع

کہیں ہمرنگ زمیں دام نہ ہو

(ب) حافظہ اور یادداشت کی اہمیت

قبل ازیں مسٹر پرویز کی تحریروں کے حوالوں سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچایا

ہو چکا ہے کہ احادیث دین کا جزو اعظم ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ "کُلّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ" جونہی آفتاب نبوت طلوع ہوا اور کفر و الحاد، ظلم و تشدد، عصیان و طغیان کے بادل چھٹنے لگے۔ ظلمت کے پردے اُٹھتے ہی لوگوں نے جوق در جوق آفتاب نبوت کے قریب ہونے اور وہاں سے روشنی حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ دوسری طرف سے اس مقلب القلوب نے بھی بڑے بڑے ائمہ ضلالت کو ہدایت کی راہ پہ ڈال دیا۔ ہر ایک کے دل میں پیغمبر خدا اور دین متین کی محبت و عظمت بڑھنے لگی۔ ہر مسلمان اس بات کا جویاں نظر آتا تھا۔ کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے سانچے میں پوری طرح ڈھال لے۔ اور اس غرض کے لئے ان کی نظروں کے گھیرے ہر وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا عکس لینے کے لئے متحرک رہتے تھے۔ حضور کے متعلق جن باتوں کا صحیح پتہ کوئی نہ لگ سکتا تھا۔ وہ قناعت یا خاموشی اختیار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے سے پوچھا کرتے تھے۔ اور اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جو ہر وقت حضورؐ کی خدمت میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ جب گھر پر، حج پر یا جہاد کے سفر وغیرہ پر تشریف لے جاتے تو شمع نبوت کے یہ پروانے بھی ساتھ رہتے تھے۔) کے اس بیان سے ظاہر ہے۔

آنحضرتؐ سے میری وابستگی کا حال چونکہ لوگوں کو معلوم تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ سے پوچھا کرتے ان پوچھنے والوں میں عمرؓ بھی ہیں، عثمانؓ بھی، علیؓ بھی، طلحہؓ بھی اور زبیرؓ بھی۔

(طبقات ابن سعد)

اور جب کسی بات کا پتہ صحابہ کی جماعت سے نہ لگ سکتا۔ تو اسکی دریافت تحقیق کے لیۓ امہات المؤمنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا۔ تاکہ کوئی فعل سنت نبوی کے خلاف نہ ہو سکے اور ساتھ ساتھ علم کی تکمیل بھی ہوتی رہے جس پر عمل کا دارو مدار ہے۔ ان جویان علم و تبعان سنت کی سرگرمیاں صرف مدینہ تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ جونہی انہیں پتہ لگتا کہ حضورؐ کی کوئی حدیث فلاں شخص کے پاس فلاں جگہ ہے۔ تو وہ پروانہ وار وہاں پہنچتے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو خود مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور احادیث کا کافی ذخیرہ رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب کے واسطہ سے مجھے حضورؐ کی ایک حدیث پہنچی میں نے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور اس پر اپنا کجاوہ کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ شام پہنچا۔ اور عبداللہ بن انیس انصاری (جن سے حدیث پہنچی تھی) کے گھر پہنچا۔ اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہوا ہے۔ آدمی نے واپس ہو کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ عبداللہ بن انیس باہر نکل آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے گلے لپٹے پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہنچی ہے۔ جو آنحضرتؐ سے مظالم کے متعلق آپ نے سنی ہے اور میں انہیں سن سکا ہوں۔ عبداللہ بن انیس نے جواب دیا کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے (پھر انہوں نے
ساری حدیث بیان فرمائی (جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص۹۳)

اس سے زیادہ عجیب واقعہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ہے
جو بہت مشہور صحابی تھے۔ انہوں نے حضور سے دربار رسالت میں بموجودگی
حضرت عقبہ بن عامرؓ یہ حدیث سنی تھی۔ من ستر مسلما خزیہ سترہ
اللہ یوم القیامہ۔ مگر بعد میں دل میں اس کی صحت کے متعلق کچھ شک
سا پیدا ہوا۔ جسے مٹانے کے لئے وہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
کے پاس مدینہ سے مصر روانہ ہوئے جہاں وہ قیام پذیر تھے وہاں پہنچتے
ہی انہوں نے علیک سلیک کے بعد فوراً کہا کہ مجھ سے اس حدیث کو
بیان کریں جو حضور نے مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق بیان کی۔ کیونکہ
اس وقت آپ کے سوا اس حدیث کے سننے والا اور کوئی نہیں رہا۔
انہوں نے وہ حدیث بیان فرمائی۔ جو اسی طرح درست تھی جس طرح حضرت
ابو ایوبؓ کو یاد تھی۔ مگر محض دل کا شک رفع کرنے کے لئے مدینہ سے
مصر پہنچے۔ اتنا دور دراز سفر کرنے کے بعد وہاں تھکان اتارنے کیلئے
کتنا عرصہ ٹھہرے؟ اس کا جواب سن کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ

حضرت ابو ایوب انصاری حدیث سنتے ہی اپنی سواری کی
طرف پلٹے۔ سوار ہوئے۔ اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ
نے (مصر) میں اپنا کجاوا بھی نہ کھولا۔

(جامع ص۹۴)

دارمی نے ابوالعالیہ سے یہ روایت کی ہے کہ

ہم لوگ بصرہ میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے حوالے سے سنتے تھے۔ مگر ہم صرف اس پر قناعت نہیں کر لیتے تھے۔ جب تک سوار ہو کر مدینہ پہنچ کر خود ان صحابیوں کی زبانی بھی اس روایت کو نہ سن لیتے۔

(دارمی)

یہاں تک کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت موجود ہے کہ ان ابا سعید رحل فی حرف یعنی حدیث کے ایک حرف کی تصحیح کے لئے انہوں نے باضابطہ کوچ کیا اور ایسے کئی واقعات موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ

(۱) اُس وقت لوگوں میں دین کا علم جاننے کا اتنا شوق تھا۔ جتنی آج اس سے نفرت کی جاتی ہے۔

(۲) وہ حدیث کے مفہوم پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حروف کو ذہن نشین کرتے تھے۔ ورنہ انہیں ایک ایک حرف کی صحت کے لیے دور دراز سفر طے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے مسٹر پرویز کی اس تخیل پروازی کی تردید ہوتی ہے کہ

احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ بخاری اور مسلم سمیت ان کے الفاظ رسول اللہؐ کے نہیں ہیں یہ احادیث روایات بالمعنیٰ ہیں۔ یعنی ان کا انداز یہ ہے کہ مثلاً ایک صحابیؓ

نے رسول اللہ سے کچھ سنا۔ اس نے جو کچھ سمجھا۔ اپنے الفاظ میں
کسی دوسرے سے بیان کیا۔ اس نے جو کچھ اخذ کیا۔ اسے
آگے منتقل کر دیا۔ (مقام حدیث جلد ا صـ۵۲)

ایسی بے سروپا دلیلوں سے ایک عام شخص کو تو بآسانی سے فریب دیا جا سکتا ہے۔ مگر علم الحدیث کی تاریخ جاننے والوں کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

امورِ دین کے متعلق صحابہ و آئمہ کی تحقیق و تحقیق صحت کے اس اہتمام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور کے اولین مخاطب یعنی صحابہ کرام کے دل میں دین سکھانے والے کی کتنی محبت و عظمت تھی۔ اس کی تفصیل لکھنے کے لئے تو شاید میری بقیہ زندگی بھی ناکافی ہو۔ مگر میں اس کی ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں۔ جو آپ اپنے نفس میں طمع شاید کسی قیمت پر ایسی مثال پیدا کرنے کو تیار نہ ہوں۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے۔ تو صحابہ کرام وضو کے پانی کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ اسے تبرکاً ہاتھوں ہاتھ لے کر بدن پر مل لیتے تھے۔ جب دربار رسالت میں بیٹھتے تو کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِنَا الطَّیْرُ کا مظہر ہوتے یعنی ایسے سکون و خاموشی کے ساتھ بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور جب حضور ارشاد فرمانے لگتے تو وہ مجنوں کے اس تصور کی تصویر بن جاتے

؎ اِذَا مَا بَدَتْ لَیْلٰی فَکُلِّیْ اَعْیُنٌ
وَاِنْ ھِیَ نَاجَتْنِیْ فَکُلِّیْ مَسَامِعٌ

یعنی جب بھی لیلیٰ سامنے آتی ہے۔ تو میرا ہر جزو آنکھ بن جاتا ہے۔ اور

جب لیلیٰ مجھ سے بات کرتی ہے تو میرا ہر جزو بدن کان اور گوش ہوش بن جاتا ہے۔ صحابہ کرام کا اس طرح گوش ہوش بن جانا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لئے یہ دعا کرنا نضر اللہ امرأ سمع مقالتی کہ ان کی باتیں (حدیثیں) ان کے دلوں میں محفوظ ہو جائیں۔ اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ بفضل تعالےٰ انہیں خصوصی حافظہ عطا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ حضور کے ارشادات کو حرفاً حرفاً لوح دل پر نقش کر لیتے تھے۔ مگر مسٹر پرویز ان کے حافظہ یا یادداشت کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور لکھتے ہیں کہ

> ارباب جرح و تعدیل نے یہ فرض کیا کہ ایک حدیث میں جس قدر راویوں کا سلسلہ آتا ہے۔ اس کے متعلق بڑی کد و کاوش سے تحقیق کی کہ وہ ثقہ تھے۔ پرہیزگار تھے۔ متقی تھے۔ لیکن یہ امر بالکل بدیہیات سے ہے کہ ایک شخص کا متقی و پرہیزگار ہونا اس بات کے لیے مستلزم نہیں کہ اس کی یادداشت بھی اچھی ہو۔ (مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۵۳)

کہہ دیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں عربوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اسلئے ان کی یادداشت پر بھروسہ کر لیا جاتا تھا۔ لیکن اگر دین کے معاملہ میں یادداشت پر بھروسہ کر لینا ہی کافی تھا تو قرآن کریم لکھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کیلئے لوگوں کی یادداشت کیوں کافی نہ سمجھی گئی۔ (مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۴۱)

اس سوال کا جواب باصواب کہ قرآن کریم لکھوانے کی کیا ضرورت تھی آپ کو اگلے صفحات پر "تدوینِ حدیث کی تاریخ" کے زیرِ عنوان ملے گا۔ یہاں چونکہ صرف نفسِ حافظہ یا یادداشت زیرِبحث ہے اسلئے گفتگو اسی حد تک محدود رکھی جاتی ہے۔ بیشتر اس کے کہ اس وقت کے لوگوں کے حافظہ اور یادداشت پر روشنی ڈالی جائے۔ اس امر کی جانچ پڑتال کر لینی بھی ضروری ہے۔ کہ ہادی کی تمنا اور ہدایت یافتگان رضوان اللہ اجمعین کے ذوق و حافظہ کو چیلنج کرنیوالے کا اپنا حافظہ صحیح طور پر کام کر رہا ہے؟ انکی تحریر کا جائزہ لینے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کا اپنا حافظہ اکثر ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ ایک جگہ جو کچھ لکھ جاتے ہیں۔ دوسری جگہ خود ان کی اپنی تحریر سے اس کی تردید ہو رہی ہوتی ہے۔ مثلاً انہوں نے مقامِ حدیث جلد ا صـ۱۳ کی تیسری سطر سے یوں لکھنا شروع کیا۔

"حضور نے جہاں قرآن کریم کے متعلق اس قدر حزم و احتیاط سے کام لیا۔ احادیث کے متعلق کوئی انتظام نہیں فرمایا"

اور اسی صفحہ کی جب بارھویں سطر پر پہنچے۔ تو لکھا کہ

"حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی درخواست پر حضورؐ نے انہیں اجازت فرما دی تھی کہ وہ چاہیں۔ تو احادیث لکھ لیا کریں"

مگر نادانستہ طور پر یہ سطر لکھنے کا جب احساس ہوا۔ تو فوراً اگلی سطر میں اسکی یوں تردید کرنے کی کوشش کی کہ

"اس سے بھی زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوگا کہ حضورؐ نے

اجازت عطا فرمائی تھی۔ اس کا حکم نہیں دیا تھا۔"

حالانکہ یہ امر بدیہیات سے ہے کہ معلم کا کام سبق پڑھانا ہوتا ہے اور اس کو یاد رکھنا یا لکھ لینا متعلم کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور جب ایک ایسے معلم نے اسباق کو یاد رکھنے کے علاوہ اس وقت کے دستور کے علی الرغم لکھنے کی بھی اجازت دے دی ہو۔ جن کا نطق وحی ہو جن کا فیصلہ اٹل قرار دیا گیا ہو۔ جس پر دل میں تنگی لانے کی بھی اجازت نہ ہو۔ جن کے متعلق صاف کہہ دیا گیا ہو۔ کہ وہ جس امر کی اجازت دیں اسے اختیار کرو۔ جس بات سے روکیں۔ اس سے رک جاؤ۔ کہ اس کے اتباع میں تمہاری ہدایت کا راز مضمر ہے۔ تو اس کی اجازت کو حکم کے درجہ میں نہ سمجھنا انہی کا کام ہے جن کو قرآن کے دیباچہ میں "والضالین" قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ انعمت علیھم کے لئے حضور کا اشارۂ چشم و ابرو بھی ناقابل اپیل حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایسی ہی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں۔ ایک جگہ تو مسٹر پرویز بڑے طمطراق سے یہ لکھ گئے کہ

۱۔ ایک شخص کا متقی و پرہیزگار ہونا۔ اس بات کے لئے مستلزم نہیں کہ اس کی یادداشت بھی اچھی ہو۔

۲۔ قرآن کے معاملہ میں لوگوں کی یادداشت کیوں کافی نہ سمجھی گئی۔

مگر کچھ دور جا کر وہ پٹڑی سے اُتر گئے اور دفورِ جوش میں تسلیم کر بیٹھے کہ

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کے اقوال و افعال کو قلمبند کرنے کا اہتمام نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے پاس بجز قرآن کے
کوئی دوسرا صحیفہ نہیں تھا۔ کسی ضرورت کے وقت اگر وہ کوئی
حدیث بیان بھی کرتے تھے۔ تو اپنے حافظہ سے بیان کرتے
تھے۔" (مقامِ حدیث جلد ۱ صفحہ ۲۴۹)

(۲) صحابہ کبارؓ کی ایک جماعت تھی جنہیں قرآن کریم کا ایک
ایک لفظ لکھا دیا جاتا تھا۔ ہزاروں حفاظ تھے جنہیں لفظاً
لفظاً یاد کرایا جاتا تھا۔ (مقامِ حدیث جلد ۱ صفحہ ۵)

اگر مسٹر پرویز کا حافظہ اتنا قوی ہوتا اور ان کی یادداشت اتنی تیز
ہوتی۔ تو وہ اس بات کو ہرگز نہ بھولتے کہ پیچھے کیا کہہ آئے ہیں اور اب کیا
کہہ رہے ہیں؟ ایک طرف یہ کہنا کہ "ان کی یادداشت اچھی نہ تھی"۔ اور دوسری
طرف اقرار کرنا کہ "وہ بوقت ضرورت اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے
تھے"۔ یا ایک مقام پر یہ لکھنا کہ "اگر دین کے معاملہ میں یادداشت پر بھروسہ
کر لینا ہی کافی تھا۔ تو قرآن کریم لکھوانے کی کیا ضرورت تھی"۔ اور دوسرے
مقام پر اس امر کو تسلیم کر لینا کہ "قرآن لکھنے والی صرف ایک جماعت تھی
اور قرآن کو یاد کرنے والے ہزاروں حفاظ تھے"۔ یہ تعارضات یا اختلافات
اس بات کی دلیل ہیں کہ چونکہ مسٹر پرویز کو خود اپنے حافظہ و یادداشت پر
پورا پورا یقین نہیں۔ اسلئے وہ دوسروں کے متعلق بھی ایسا خیال کرتے
ہیں اور کیا عجب کہ انہوں نے یہ فیصلہ خود اپنے حافظہ کی بنا پر دیا ہو کہ
ایک شخص کا متقی و پرہیزگار ہونا اس بات کے لئے مستلزم نہیں کہ اس کی

یادداشت بھی اچھی ہو"۔

بہرحال یہ امور خود مسٹر پرویز کے اپنے بیانوں سے ثابت ہیں کہ
(۱) حضور کی وفات کے بعد خلفاء راشدین۔ دیگر صحابہ کو قرآن کی موجودگی میں حدیث سے مدد لینی پڑتی تھی اور احادیث حافظہ سے بیان کی جاتی تھیں۔ سننے والے سنانے والے کے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے۔
(۲) قرآن کریم کو لکھنے والی ایک مختصر سی جماعت تھی۔ اور اس کو حفظ کرنے والے ہزاروں حفاظ تھے۔

مسٹر پرویز کی اس غیر متوقع رہنمائی کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت کے لوگ نوشت وخواند سے زیادہ اپنے حافظہ سے کیوں کام لیتے تھے؟ اس سوال کا جواب میں تاریخ سے دینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ مسٹر پرویز کے نزدیک حدیث کے مقابلہ میں تاریخ زیادہ وقعت رکھتی ہے، مورخِ اسلام علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:-

(۱) عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا۔ وہ سینکڑوں شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام لیا جائے۔ اس قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوتِ حفظ کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے۔

جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں۔ ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتے تھے۔ مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے۔ اہل علم کی نگاہوں میں اُن کی عزت نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے۔ تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں (خطبات مدارس ص۵۳۔۵۲)

(۲) صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتنا توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی۔ اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے۔ یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا۔ چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا۔ سینوں کا علم گھٹتا گیا۔ نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کرنے بیٹھے گا۔ چنانچہ یہ بھی ہوا۔

(خطبات مدارس ص۵۴)

(۳) محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ ہوتی ہے یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس پر کمی

بیشی نہ کرے۔ مگر نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں۔
ان میں تغیر تبدل ممکن نہیں۔ (ایضاً)

قبلہ صاحب کے ان ارشادات کی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے جنہیں محقق اسلام مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے تدوین حدیث میں جمع کر دیا ہے:۔

مذہب العرب انھم کانوا مطبوعین علی الحفظ مخصوصین بذالک۔ (جامع)

عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد رکھنے کی کچھ ان کی فطری عادت سی تھی۔ اس بات میں ان کو خاص خصوصیت حاصل تھی۔

عرب کا بدو کتابوں کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا۔ بدوں کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا حرف فی تامورک خیر من عشرۃ فی کتبک دل میں ایک حرف کا محفوظ رہنا کتابوں کی دس باتوں سے بہتر ہے۔

عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے ؎

لیس بعلم ما حوی القمطر ما العلم الا ما حوی الصدر
علم وہ نہیں ہے جو کتابوں میں درج ہے نہیں ہے علم لیکن صرف وہی جو سینہ میں محفوظ ہو

دوسرا کہتا ہے۔

من یستودع العلم قرطاساً فضیعہ وبئس مستودع العلم قراطیس
جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اس نے اسے ضائع کیا علم کے بدترین مدفن کاغذ ہیں

امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

علمی معی حیث ما یممت ینفعنی ... بطنی دعاء له لا بطن صندوق

میرا علم میرے ساتھ ہے جہاں جاتا ہوں مجھے نفع دیتا ہے۔ میرا باطن اس علم کا مدفن ہے نہ کہ صندوق کا شکم۔

ان کنت فی البیت کان العلم فیہ معی ... او کنت فی السوق کان العلم فی السوق

اگر گھر میں رہتا ہوں تو علم میرے ساتھ رہتا ہے جب بازار میں ہوتا ہوں تو میرا علم بھی بازار میں ہوتا ہے۔

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے لکھنے اور کتابت کے متعلق شاید ہی کسی زبان میں اس قسم کے اشعار مل سکتے ہیں سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ استعمال کرتا ہے۔ اس میں جلا پیدا ہو جاتی ہے مختلف اقوام کی مختلف چیزوں کے ساتھ خاص مناسبت کی یہی وجہ ہے۔ اسی لئے یہ مسلم ہے۔ ان العرب قد خصت بالحفظ (عرب حافظہ کی قوت میں خصوصیت رکھتے تھے) ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابوں میں درج ہیں کتابی قوموں کے لئے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے۔ حافظ عمر بن عبدالبر لکھتے ہیں۔

کان احدھم یحفظ اشعار بعض فی سمعة واحدة۔

ان میں بعض لوگ صرف ایک دفعہ سن کر لوگوں کے اشعار یاد کر لیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور اسّی شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا۔ شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا۔ جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ آپ کو پہلی دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے اسّی شعر سنا دوں اور سنا دیئے۔

حدیث کے مشہور راوی امام زہریؒ کا بیان لوگ نقل کرتے ہیں کہ۔

"میں بقیع کی طرف سے گزرتا ہوں تو اپنے کان بند کرلیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ ان میں کوئی بات داخل نہ ہوجائے کیونکہ خدا کی قسم میرے کان میں اب تک کوئی بات ایسی داخل نہیں ہوئی ہے جسے میں بھول گیا ہوں"۔ (ابن عبدالبر)

شعبیؒ بھی یہی کہتے ہیں:۔

"میں نے کبھی سیاہی سے سفید پر کچھ نہیں لکھا۔ اور نہ کسی شخص کی گفتگو میں نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی"۔

(ابن سعد)

غیروں پر تو حجت نہیں ہوسکتی۔ لیکن علمائے اسلام کا خیال ہے کہ:۔

علاوہ اس کے کہ عرب کا حافظہ قدرتی طور پر غیر معمولی تھا یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ قرآن مجید کے متعلق جس نے انا لہ لحافظون کا اعلان کیا تھا۔ اسی نے قرآن کی عملی شکل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت جن کے سپرد کی تھی

ان کے حافظوں کو غیبی تائیدوں سے بھی کچھ غیر معمولی طور پر قوی کر دیا تھا۔ (تدوینِ حدیث ص ۶۳ تا ۶۶)

مزید براں کتبِ احادیث و تواریخ سے اس امر کی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ:-

۱۔ ابو سعیدؓ سے کسی نے کہا اگر آپ فرمائیں۔ تو ہم آپ کی بیان کردہ حدیثیں لکھ لیا کریں؟ انہوں نے جواب دیا۔ لکھو مت بلکہ جیسا ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زبانی سن کر یاد کی ہیں۔ تم بھی ہم سے سن کر زبانی یاد کرو۔

۲۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰؓ نے بہت سی احادیث روایات لیں۔ جب ہم ان کو لکھنے کے لیے اُٹھے تو فرمایا اچھا؟ کیا تم جو مجھ سے سنتے ہو۔ اس کو لکھتے بھی ہو؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ کہا وہ سب لاؤ۔ پھر پانی منگا کر ان کو دھو ڈالا اور فرمایا جیسے ہم نے زبانی یاد کی تھیں۔ تم بھی ہمارے حوالہ سے زبانی یاد کر کے نقل کرو۔

۳۔ مسروق نے علقمہ سے کہا کہ مجھے قرآن کی تمام سب سورتیں لکھا دیجئے۔ فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ سلف کو لکھنا پسند نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا معلوم تو ہے مگر میرا ارادہ یہ ہے کہ میں یاد کر کے پھر انہیں جلا دونگا۔

۴۔ عبیدہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنی سب کتابیں منگائیں اور ان کو مٹا ڈالا۔ جب ان سے

سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا مجھے اس کا خطرہ ہے کہ غیر
بزناہوں کے ہاتھ نہ پڑجائیں اور وہ اس کی غلط مرادیں بیان
کریں۔

۵۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ علم زبانی چلتا رہا
معزز رہا۔ جب کتابوں میں مدون ہو گیا۔ تو نااہلوں کے پلے
پڑ گیا اور اس کا نور جاتا رہا۔

۶۔ ابراہیم کتابت کی ممانعت کی ایک اور وجہ بھی بیان کرتے
ہیں کہ لکھا مت کرو۔ کیونکہ لکھنے سے بھروسہ پر آدمی یاد کرنا چھوڑ
دیتا ہے۔ (ترجمان السنہ صفحہ ۲۰۹-۲۱۰)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے
کی وجہ منکرین حدیث کے زیر عتاب بنتے ہیں نے حفظ کی قوت و زیادتی
کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص طور پر دعا کرائی جس
کی بدولت ان کا حافظہ ایسا ہو گیا کہ کبھی کوئی چیز نہ بھولتے تھے۔

غرضیکہ ان تاریخی شواہد اور مسٹر پرویز کے اپنے بیانات سے یہ
حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں اہمیت فن نوشت کی نہیں تھی۔
یادداشت کی تھی۔ جسے محدثین نے معراج کمال تک پہنچایا۔ محدثین میں چونکہ
امام بخاریؒ کو سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ اسلئے جماعت محدثین
سے وہ زیادہ پرویز اینڈ کو کے زیر عتاب رہے مگر ان کے حافظہ کا نقشہ ان
کے ہمعصر حاشدون اسماعیل نے یوں کھینچا ہے کہ

"امام بخاریؒ ہم لوگوں کے ساتھ مشائخ بصرہ کی مجلس میں جایا کرتے تھے اور یہ لڑکے ہی تھے اور لکھنے لکھاتے کچھ نہ تھے۔ آخر ایک دن ہم نے اعتراضاً کہا کہ آپ ______ احادیث کو ضبط تحریر میں تو لاتے ہی نہیں۔ یہ طریق یادداشت کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ تو حضرت امامؒ نے فرمایا کہ "اچھا آپ لوگوں نے جو کچھ اب تک لکھا ہے۔ وہ میرے پاس لاؤ جب ہم لوگ اپنی اپنی بیاضیں لے کر آئے تو انہوں نے صرف زبانی ہماری بیاضوں کی پندرہ ہزار حدیثیں سنا دیں۔" (تجرید بخاری صک)

جس امامؒ کے زمانۂ طالب علمی اور لڑکپن کی یادداشت کا یہ حال ہو اس کو اگر بعد میں اپنے شیخ حضرت اسحاق بن راہویہؒ کے مقابلہ میں جنہیں اپنی کتاب میں سے ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ دس لاکھ حدیثیں یاد ہوں تو یہ امر چنداں تعجب خیز نہیں ہو سکتا۔ جبکہ ان کے اساتذہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ کو بھی دس لاکھ اور امام یحییٰ بن معین کو بارہ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔

ایسے حالات میں جبکہ قرآن و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب قوم اور اس کے ارباب علم و ادب کے ہاں لکھنے کا رواج ہی نہ ہو بلکہ اسے عار سمجھا جاتا ہو۔ اور علم کو سفینوں کی بجائے سینوں میں محفوظ رکھنے کو ترجیح دی جاتی ہو۔ اس لئے بادی رہنماؤں کے متعلق مسٹر پرویز کا یہ لکھنا کہ

> اگر یہ چیزیں (احادیث) بھی دین کا جزو ہوتیں۔ تو ظاہر ہے کہ خود نبی اکرمؐ احادیث کا مستند مجموعہ لکھوا کر چھوڑ جاتے۔ آپکے

بعد آپ کے جانشین خلفائے راشدین اس مجموعہ کے مصدقہ
نسخے مختلف مقامات پر بھیجتے۔ (مقامِ حدیث جلد ا صفحہ)
اگر احادیث بھی دین کا جزو ہوتیں۔ تو کیا رسول اللہ ان کی
حفاظت کا کچھ بھی انتظام نہ کرتے (مقامِ حدیث جلد ا صفحہ)

یہ علم الحدیث سے ناواقف لوگوں کے دلوں میں وسوسہ
پیدا کرنے کی غرض سے ان کو دھوکا دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ حالانکہ ملک
میں لادینی پھیلانے کی غرض سے دین کے اس محفوظ دفتر کو حرف غلط کی طرح
مٹانے کیلئے پرویز اینڈ کو دلائل و براہین کے جو بم چلا رہے ہیں۔ اُن میں سے
اُن کے مذکورہ بالصدر دلائل کی حیثیت آٹیم بم کی سی بتلائی جاتی ہے۔ لیکن
جب اسے مذکورہ بالا تاریخی شواہد کی روشنی دیکھا جاتا ہے۔ تو وہ ریت
کے بم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

مسٹر پرویز اینڈ کو کے نزدیک احادیث کا تمام دفتر محض اس لئے
ناقابلِ قبول ہے کہ یہ حضورؐ نے خود نہیں لکھوایا۔ بلکہ ان سے سن کر دوسروں
نے لکھا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک بھی اُس صاحب علیٰ کل شیئٍ قدیر نے خود
نہیں لکھوایا۔ بلکہ اس نے بھی اسی حافظہ و یادداشت کو اپنے کلام پیغام
پہنچانے کا ذریعہ بنایا۔ اور بواسطہ جبرائیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس بھیجا۔
انہوں نے جو کچھ جبرائیلؑ سے سنا۔ اسے یاد کیا۔ کیونکہ آپ اُمی تھے یعنی
لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور پھر قرآن کی جو جو آیت نازل ہوتی گئی
آپ یاد کرتے گئے اور دوسروں کو سناتے گئے۔ جن میں سے بقول مسٹر پرویز

ایک جماعت نے اسے لکھنا شروع کر دیا اور ہزاروں نے حفظ کرنا شروع کر دیا تو انا لہ لحافظون میں اس امتِ مسلمہ کے حافظوں کی حفاظت بھی شامل تھی۔ جب تک حافظہ کی حفاظت کا انتظام نہ ہوتا۔ قرآن و حدیث سینوں میں کیسے محفوظ رہ سکتے تھے۔ جب کہ امتِ مسلمہ سے پہلی قوم نصاریٰ محض حافظہ کے قوی نہ ہونے کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہوئی۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:-

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (المائدہ ۳/۶)	پھر ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا (کیونکہ) وہ کلام کو اس کے موقع سے بدل دیتے ہیں۔ اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی۔ اس سے نفع اٹھانا بھول گئے۔

اس قوم نے انجیل کو بدل ڈالا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نصائح کو بھول گئی جس کی وجہ سے وہ قسوۃ القلوب کے عذاب میں گرفتار ہو گئی مگر قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان نہ تو کلام اللہ کو بدل سکے گا اور نہ رسول اللہ کے فرمودات کو بھول سکے گا۔ البتہ وہ ان دونوں کو نظر انداز کر دے گا یعنی اس پر عمل چھوڑ دیگا۔ چنانچہ قیامت کے دن جب حضورؐ سے ان کی امت کے متعلق سوال ہوگا۔ تو حضور یہ نہیں فرماویں گے کہ انہوں نے کلام اللہ میں تحریف کی یا احادیث الرسول کو بھول گئے۔ بلکہ یہ فرماویں گے کہ

يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا	اے پروردگار میری قوم نے اس

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان ۳۰) قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔

کیونکہ کلام اللہ و کلام الرسول روز اول سے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گا۔ اور پرویزی اینڈ کو کی قرآن کی معنوی تحریف یا احادیث کو جھٹلا دینے کی تحریک انشاء اللہ کامیاب نہ ہوگی۔

اگر امت مسلمہ کو حافظہ کی خصوصی قوت عطا نہ کی جاتی۔ تو اس کا حال بھی امم سابقہ کی طرح ہوتا جن کے ہاں نہ کوئی صحیفہ محفوظ رہا۔ نہ کوئی اس کا حافظہ پیدا ہو سکا۔ بخلاف اس کے صرف پانچ سال کا مسلمان بچہ پورے قرآن پاک کے ۳۰ پارے یا ۱۱۴ سورتیں یا ۵۴۰ رکوع یا ۷۸۶۳۴ کلمات یا ۳۲۲۶۷۰ حروف سینہ میں محفوظ کر لیتا ہے۔

تاریخ کے ان روشن واقعات سے پرویز اینڈ کو کی بدنیتی کا صاف پتہ چلتا ہے آپ ذرا خود انصاف فرمائیں کہ جو لوگ شب و روز تحریر تاریخ کی غواصی کر کے بڑی مشکلوں سے ایسے واقعات کہیں نہ کہیں سے تلاش کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ جن سے ابطال حدیث کا کام لیا جا سکے کیا ان کی نظروں سے یہ واقعات نہیں گزرے ہوں گے؟ کیا وہ اس وقت کے رسم و رواج سے ناواقف ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جب ایک شخص امام زہری کے حالات پڑھ کر اس کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ

امام ابن شہاب زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ نے خلفائے بنی امیہ کے حکم سے ایک مختصر سا مجموعہ حدیث تیار کیا۔

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۵۰)

لازمی بات ہے کہ اس نے اس کی سوانح حیات میں اس کی ذاتی خصوصیات کے ضمن میں یہ بھی پڑھا ہوگا کہ

"میں جب بقیع کی طرف گزرتا ہوں تو اپنے کان بند کر لیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ ان میں کوئی بات داخل نہ ہو جائے کیونکہ خدا کی قسم میرے کان میں کوئی بات اب تک ایسی داخل نہیں ہوئی ہے۔ جسے میں بھول گیا ہوں۔ (ابن عبد البر)

ورنہ وہ فوراً ان کے حافظے کو بھی چیلنج کرتا۔ جیسا کہ تخریب پسند عناصر کی عادت ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دینے میں دریغ نہیں کرتے۔ جس کی زندہ مثال پرویز اینڈ کو ہے۔

ج۔ سرمایہ حدیث کی حفاظت

مسلمانوں کے حافظہ اور یادداشت کو چیلنج کرنے کے بعد مسٹر پرویز نے سرمایہ حدیث کے ابطال کے لئے قرآن کی آڑ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ

قرآن کریم کی حفاظت کا خود اللہ تعالے نے ذمہ لیا۔ اور نبی کریمؐ نے اس کے الفاظ محفوظ کر کے اسے امت کے پاس چھوڑا۔ اور پورا پورا اطمینان کر لیا کہ ——— اس کے الفاظ کتاب کے اندر اور حفاظ کے سینے میں محفوظ ہو گئے ہیں قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرمؐ نے کسی چیز کو نہ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا نہ سنا۔ نہ اس کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی۔ حضور کے بعد

خلفائے راشدینؓ نے بھی نہ احادیث کا کوئی مجموعہ تیار کرایا نہ کوئی جماعت پیدا کی جو انہیں یاد کرے برعکس اس کے ایسی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ جن سے ظاہر ہے کہ حضور اور انکے جانشینوں نے اس کی مخالفت کی۔ (مقام حدیث جلد ا صـ۶۷)

آسمانی صحائف تورات۔ انجیل اور قرآن کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالے نے ہر قوم کے لئے صرف کتاب بھیج دینا کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ ہدایت کے ساتھ ہادی بھیجنا بھی ضروری سمجھا۔ جیسا کہ

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد) — اور ہر قوم کیلئے ایک رہنما ہے۔

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ — کوئی قوم نہیں جس میں (کوئی انسان) کا ہوشیار کرنے والا نہ گزرا ہو۔

سے ظاہر ہے۔ اور ان کی ضرورت اسلئے محسوس کی کہ

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ ۱۸/۲)

جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی میں سے ہی ایک رسول بھیجا کہ جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے۔ جو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت کریمہ کے الفاظ کو پڑھیئے اور بار بار پڑھیے اور دیکھئے کہ حق تعالے کا یہ خطاب کس قوم سے ہے؟ اور کیوں؟ ان سوالات کے جواب

کے لئے ہمیں قرآن کی اپنی بیان کردہ صفات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ "یہ ایک کتاب ہے" "ہدایت ہے" "نصیحت ہے" "جو واضح ہے" "صاف روشنی ہے" "مفصل ہے" "بالکل آسان ہے" "اور اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں" "ہر شے کی تفصیل خود بتا دیتی ہے" اور "یہ عربی زبان میں ہے"۔ قرآن کی ان صفات کو بار بار پڑھنے سے حیرانی ہوتی ہے کہ اس کی مخاطب ایک ایسی قوم ہے۔ جس کی مادری زبان ہی عربی ہے۔ اور جب اس کے پاس ایک ایسی واضح اور آسان کتاب بھیجی گئی تھی۔ جس کے معنی و مفہوم سمجھنے میں بظاہر اسے کسی قسم کی دقت پیش نہیں آ سکتی تھی۔ تو پھر اس کے ساتھ معلم الکتاب کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب اسی آیت کریمہ کے آخری حصہ میں موجود ہے کہ ان کا کام آپ کو وہ باتیں بتانا بھی تھا۔ جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور وہ باتیں کون سی تھیں؟ ان کی تفصیل خود مسٹر پرویز کے الفاظ میں سنئے کہ

قرآن ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے اور زمان و مکان کی حدود سے بلند۔ اسلئے اس میں انسانی زندگی کے ان بنیادی اصولوں کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی اس میں

(۱) بعض اصول ایسے ہیں جن کی جزئیات بھی متعین کر دی گئی ہیں یہ وہ احکام ہیں۔ جن پر مرورِ زمانہ کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ اور وہ ہمیشہ کیلئے ناقابل تغیر و تبدل ہونگے۔ ایسے احکامات بہت تھوڑے ہیں۔

(۲)۔ باقی اصول ایسے ہیں جن کی صرف حدود متعین کر دی گئی ہیں جزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ (اسلامی نظام ص ۲)

سو ہدایت کے ساتھ ہادی کو اسلئے بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو اس طرح قرآن کی تعلیم دے کہ انہیں جزئیات کے احکام انہی کلیات سے معلوم ہو سکیں مثلاً قرآن میں ہے اقیموا الصلواۃ۔ تو حضور نے اپنے عمل سے اس کی شرح نماز پڑھنے سے کی۔ یا جیسے اس میں حکم ہے کہ زکواۃ دو۔ مگر اس کے ساتھ مقدار کا تعین نہیں۔ اسے حضور نے اس کا نصاب مقرر کیا۔ علی ہذا القیاس۔ اگر ہدایت کے ساتھ ہادی نہ بھیجا جاتا۔ تو لازمی تھا کہ اس قوم کا ہر فرد آج کل کے ائمہ تلبیس کی طرح ایسے احکام کی جزئیات اپنی اپنی خواہش کے مطابق قائم کرتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ قرآن لفظاً تو محفوظ رہتا مگر معناً محفوظ نہ رہتا اس میں تحریف و تخفیف کا دروازہ ہر آنے والے کے لئے کھلا رہتا۔ تو اس آسان واضح اور مفصل کتاب کے ساتھ معلم القرآن کے بھیجنے کی غرض و غایت غالباً یہی تھی کہ قرآن نہ صرف لفظاً بلکہ معناً بھی محفوظ رہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام کی لفظی و معنوی حفاظت کے لئے تو شارح قرآن کو بھیجنا ضروری سمجھا۔ مگر قرآن کی طرح اس ہدایت کے ہادی کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام کیا ہے تاکہ ہدایت لانے والے ہادی کو کوئی نہ ورغلا پھسلا سکے۔ قرآن پر بغور نظر ڈالنے سے ہمیں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ چونکہ سنت اللہ کے مطابق "ہدایت" و ہادی لازم و ملزوم ہیں۔

اس لیے اگر حق تعالیٰ کی طرف سے ہادی کی حفاظت کا انتظام نہ کیا جاتا ہے تو ہدایت کی حفاظت بے معنی ہو جاتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ ہادی کی تفصیل بالکل کھلے لفظوں میں خود اپنے ہادی کو خطاب کر کے یوں فرماتے ہیں کہ:-

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا -

(بنی اسرائیل ع ۱)

اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس چیز سے جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے اس سے بچلا دیں۔ تاکہ آپ اس کتاب کے سوا دوسری کتاب گھڑ کر پیش کریں۔ اور تب وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کا قدم جما نہ دیا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو چلتے۔

اگر ہدایت کے ساتھ ہادی کی حفاظت نہ کی جاتی۔ تو لازمی طور پر ابولہب اور اس کی جماعت ان سے وہی کام لیتی۔ جو آج مسٹر پرویز اور اس کی جماعت مسلمانوں سے لینا چاہتی ہے۔ یعنی قرآن کی معنوی تحریف کا تسلیم کرانا اور عقلِ سلیم کا تقاضا بھی یہی تھا۔ کہ جس قرآن اور اس کے پیش کردہ دین نے قیامت تک کے لئے قائم رہنا ہے اس کی عملی تفسیر و تعبیر بھی ایسے جامع و مانع طریق سے کی جائے۔ جو ہمیشہ کے لئے کام دے سکے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہر ہدایت کے ساتھ ہادی بھیجا اور ہدایت و ہادی دونوں کی

حفاظت خود کی جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول مسٹر پرویز

"پورا پورا اطمینان کر لیا۔ کہ اس کے الفاظ کتاب کے اندر اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہو چکے ہیں"

اور حق تعالیٰ نے بھی دیکھ لیا کہ انہوں نے میرا کلام و پیغام پوری طرح سمجھا اور سمجھا دیا ہے۔ تو انہوں نے رسولؐ کی عملی تعلیم کر جن کے ذریعہ کلیات کی جزئیات معلوم کرائی گئیں۔ (جو بقول مسٹر پرویز حدیث ٹھہریں) جیسا کہ مسٹر پرویز تسلیم کرتے ہیں کہ

"احادیث نبی اکرمؐ کے اقوال و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے"

(مقام حدیث جلد ا ص ۲۲)

محفوظ کرنے کے لئے اپنی مخلوق کو حکم دیا کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ انہیں اپنا حکم بناؤ۔ وہ جو حکم دیں۔ اسے بطیب خاطر مان جاؤ۔ اور اس کے متعلق دل میں کسی قسم کی تنگی نہ لاؤ۔ اور جس بات سے منع کریں۔ اس سے رک جاؤ۔ کیونکہ ان کی ذات اقدس میں اتباع و پیروی کی بہترین عملی باتیں موجود ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

سو ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت و ہادی لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ قرآن کی معنوی حفاظت رسولؐ کی عملی سیرت یعنی احادیث سے اور احادیث کی حفاظت رسول کے عملی متبعین یعنی صحابہ تابعین و علمائے حق سے کرائی۔

اس مرحلہ پر اس امر کی جانچ پڑتال کرنی بھی ضروری ہے۔ کہ قرآن پاک جو منضبط شکل میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً اس کی مختلف آیات نازل ہوتی رہیں اور جسے فرشتوں نے نہیں بلکہ انسانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا۔ تو اسے محفوظ کیسے کیا گیا۔

اس سوال کا جواب ہمیں خود مسٹر پرویز کی تحریروں سے ملتا ہے۔ جو انسانی حافظہ اور یادداشت کو ناقابل حصر قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ

"قرآن کریم کا تو لفظ لفظ یاد کرایا جاتا تھا اور پھر ان سے سن لیا جاتا تھا۔ اور اس کی تصدیق فرمائی جاتی تھی۔"

(مقام حدیث جلد ۱ صـ۲۲)

مگر احادیث کے حفظ کرنے کے سلسلے میں ایک نقص بصورت حسرت یوں بیان کیا کہ

جس طرح قرآن کریم محفوظ کیا گیا تھا۔ اگر لوگ نبی اکرم کی احادیث کے الفاظ کو یاد کر لیتے اور وہی الفاظ سینہ بسینہ منتقل ہوتے رہتے۔ تا آنکہ وہ کتابی شکل میں لکھ لیے جاتے۔ تو بھی یہ کہا جا سکتا تھا کہ کتب احادیث کا مجموعہ ایک حد تک یقینی ہے۔ لیکن یہ بات بھی نہیں ہوئی (مقام حدیث جلد ۱ صـ۹)

پیشتر اس کے کہ مسٹر پرویز کی اس فریب کارانہ حسرت کو تاریخ کی روشنی میں بے نقاب کیا جائے۔ ان کی اس سے گریز پائی کو منظر عام پر لانا بھی ضروری ہے۔ جس سے ذیل کے تاریخی شواہد کی صداقت و اعتراف کا پہلو نکلتا ہے

مسٹر پرویز نے مومنانہ انداز میں مسلمانوں کو ایک وسوسہ میں مبتلا کرنے کے لئے
یہ لکھ دیا کہ احادیث قرآن کی طرح حفظ نہیں کی گئیں۔ گویا ان کا اپنا دل یہ
گواہی دے رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ محض دھوکہ
اور فریب ہے۔ اسلئے انہوں نے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے ساتھ ہی
یہ بھی کہہ دیا کہ

"اگر کچھ احادیث کسی نے اپنے طور پر یاد بھی کر لی ہوں۔ تو
امت کیلئے وہ زیادہ مستند نہیں (مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۴۲)

انہیں ایسا کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اسلئے کہ بعض روایات ایسی
موجود ہیں جن سے مسٹر پرویز کے اس بیان کی صاف تردید ہوتی ہے مثلاً

(۱) عہد نبوی میں نماز فجر کے بعد مسجد میں صحابہ کرام بیٹھ جاتے
تھے اور قرآن پاک اور احادیث نبویہ کا مذاکرہ کرتے تھے۔
(مستدرک جلد ۱ صفحہ ۹۴)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ
ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے
حدیثیں سنتے رہتے تھے۔ جب آپ مجلس سے اُٹھ جاتے
تو ہم آپس میں حدیثوں کا "دور" کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی
کل حدیثیں بیان کرتا" ۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔ بسا اوقات ساٹھ
ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے تھے۔ اور وہ ساٹھوں باری باری
سے بیان کرتے تھے۔ اس کے بعد جب ہم اُٹھتے تھے

تو حدیثیں اس طرح ذہن نشین ہوتی تھیں کہ گویا ہمارے دلوں
میں بو دی گئی ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۶۱)

اس طرح باقاعدگی کے ساتھ احادیث کا دورہ کر کے ان کو سینہ کے سفینہ میں اس لیے بٹھایا جاتا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقان کو ترغیب دے رکھی تھی۔ کہ

اللہ تعالےٰ اس بندہ کو سرسبز و خوش رکھے۔ جو میری کوئی حدیث
سن کر یاد کرے۔ اور خوب سمجھ لے۔ پھر اس کو جس طرح سنا ہے
اسی طرح دوسرے کو پہنچا دے۔ (ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

اس میں یہ دو فقرے خاص طور پر قابل نوٹ ہیں کہ "حدیث سن کر یاد کرنے پھر اس کو جس طرح سنا ہے۔ اسی طرح دوسرے کو پہنچا دے"۔ جس کی وجہ سے یہ حضرات احادیث کے لفظ یاد رکھنے کے لیے اتنے اہتمام سے دورہ کرتے تھے۔ ورنہ مفہوم بیان کرنے کے لیے اتنے انہماک کی ضرورت ہی نہ تھی کہ شام و عشاء کی نماز کے بعد اس غرض کے لیے مجلسیں قائم کی جائیں۔ حضور کے اس تاکیدی ترغیبی ارشاد اور صحابہ کرام کے حفظِ احادیث کے عظیم الشان پروگرام سے متاثر ہو کر اس خیال کی صاف طور پر تردید ہوتی ہے کہ

احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری اور
مسلم سمیت) ان کے الفاظ رسول اللہ کے نہیں ہیں۔ یہ احادیث
روایات بالمعنیٰ ہیں یعنی ان کا انداز یہ ہے کہ مثلاً ایک صحابی نے

رسول اللہ سے کچھ سنا۔ اس نے جو کچھ سمجھا۔ اپنے الفاظ میں کسی دوسرے سے بیان کیا۔ اس نے جو کچھ اخذ کیا۔ اسے آگے منتقل کر دیا۔ (مقام حدیث جلد ا صـ۵۲)

ایسے ہی وسوسوں کے مٹانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے۔

تذاکروا الحدیث فانکم الا تفعلو ینلدرس (مستدرک جلد ا صـ۹۵)

حدیثوں کو باہم یاد کیا کرو۔ اسلئے کہ ایسا نہ کرو گے۔ تو حدیث مٹ جائے گی۔

اس قسم کی تاکید حضرت ابن عباس۔ حضرت ابو سعید خدری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے بیانات سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مسٹر پرویز نے ابطال حدیث کی بنیاد جن تین چار روایات پر رکھی ہے وہ سب تذکرۃ الحفاظ کی ہیں۔ یعنی جس کتاب پر مسٹر پرویز نے حصر کیا ہے۔ اسی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں اس قسم کے بیسیوں واقعات درج ہیں کہ لوگ بالکل قرآن کی طرح احادیث بھی صفحہ دل پر نقش کر لیتے تھے اور اس میں انہیں کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے غیر معمولی قسم کا حافظہ پایا تھا۔ جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے

اندریں حالات یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ اس وقت کے لوگ حدیثوں کے الفاظ کو بھی قرآن کے الفاظ کی طرح اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے۔ بلکہ لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ اور جب حالات نے تقاضا

کیا تو انہیں کتابی شکل میں جمع بھی کر دیا۔ جو صحاح ستہ وغیرہ کی شکل میں موجود اور محفوظ ہیں اور جن کے اکثر حوالوں کی مسٹر پرویز اینڈ کو کو اپنے دلائل کے سلسلہ میں پناہ لینی پڑتی ہے۔

د۔ سرمایۂ حدیث کی کتابت

مسٹر پرویز نے سرمایۂ حدیث، کو "غیر محفوظ تاریخ" ثابت کرنے کے سلسلہ میں یہ دلیل دی ہے کہ

"قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرمؐ نے کسی چیز کو نہ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا نہ سنا۔ نہ اس کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی (مقام حدیث جلد اصلا)

انداز تلبیس کتنا معصومانہ ہے مگر حقائق کے خلاف قلم آزمائی کرتے ہوئے وہ اپنے دل کی دھڑکن کو قابو میں نہیں لاسکے۔ جس نے ان کے قلم سے یہ حقیقت اگلوا کر چھوڑی کہ

"روایات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ کچھ اور متفرق چیزیں بھی حضور کے ارشاد کے مطابق قلمبند ہوئی تھیں۔ مثلاً وہ تحریری معاہدات۔ احکام اور فرامین وغیرہ جو آنحضرت نے قبائل یا اپنے اعمال کے نام بھیجے ....

اور کچھ حدیثیں جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ یا حضرت علیؓ، حضرت انسؓ نے اپنے طور پر قلمبند کیں"

(مقام حدیث جلد ا صدلا)

چونکہ ان کی ساری قلمکاری دجل و فریب کے سوا کچھ نہیں اسلئے ان کی ہر سعیِ انکار و ابطال کے ساتھ ان کا اپنا عجز و اعتراف اسلئے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس کے آئینہ میں آپ کو بعد میں پیش کئے جانے والے تردیدی واقعات کی صداقت کا اندازہ ہو سکے اگرچہ مسٹر پرویز کے ہر دعوی کی تردید ان کے اپنے اعتراف سے ہو جاتی ہے مگر پھر بھی مندرجہ ذیل حقائق ان کے مذکورہ ارشاد کی علانیہ تردید کرتے ہیں۔

مسٹر پرویز کہتے ہیں کہ حضور نے نہ کچھ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا۔ نہ سنا۔ نہ اسکی صحت کی عطا کی۔ اس کی تردید وہی کاتب حدیث کرتے ہیں۔ جن کی کتابت حدیث کا مسٹر پرویز اعتراف کر چکے ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓو ان کا بیان ہے کہ

"آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علم کو مقید کرو۔ میں نے پوچھا کہ علم کا مقید کرنا کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ لکھنا"

(مجمع الزوائد جلد ۱ صـــ۱۵۱)

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ

"میں جتنی باتیں (کنت اکتب کل شئ) آنحضرت کی زبان مبارک سے سنتا تھا۔ یاد رکھنے کے لئے ان کو قلمبند کر لیتا تھا قریش نے مجھ کو اس سے منع کیا۔ کہ آنحضرت بشر ہیں۔ اور بہت سی باتیں غصہ کی حالت میں بھی فرماتے ہوں گے۔ اس لئے حدیثیں نہ لکھو۔ میں ان کے کہنے سے رک گیا۔ اور آنحضرتؐ

سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم لکھا کرو اپنے دہان مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے کسی حالت میں ناحق یا غلط بات نہیں نکلتی۔"

(سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷ و دارمی صفحہ ۶۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتابتِ حدیث کا کام حضور کے حکم و اجازت سے کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ صرف تنہا ہی یہ کام نہ کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے صحابہ بھی ان کی طرح کتابتِ حدیث میں مصروف رہتے تھے جیسا کہ خود ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ

ایک دن ہم آنحضرتؐ کے گرد بیٹھے ہوئے حدیثیں لکھ رہے تھے اسی اثنا میں کسی نے پوچھا کہ قسطنطنیہ پہلے فتح ہو گا۔ یا رومیہ تو آنحضرت نے فرمایا کہ نہیں۔ ہرقل کا شہر پہلے فتح ہو گا۔

(سنن دارمی صفحہ ۶۸)

اس بیان میں انہوں نے لفظ بینما نحن حول رسول اللہ نکتب استعمال کیا ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ خود حضور کی موجودگی میں ایک جماعت ان کی حدیثیں تحریر کر رہی تھی۔ اور ان سے تصدیق بھی کر لی جاتی تھی۔ اسکی تائید ان کے ایک دوسرے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں چند صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ حاضر تھا۔ آنحضرت نے اس وقت ارشاد فرمایا کہ جو آدمی مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے۔ وہ اپنا ٹھکانا

جہنم میں بنا لے جب ہم وہاں سے اُٹھے تو میں نے ان صحابیوں سے کہا کہ یہ وعید سننے کے بعد آپ لوگوں کو آنحضرت کی حدیث بیان کرنے کی ہمت کیسے ہوتی ؟ تو ان صحابہ نے فرمایا کہ بھتیجے ! ہم نے آنحضرت سے جو کچھ سنا ہے ۔ وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے "
(مجمع الزوائد جلد ۲ صـ۱۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ و کا بیان ہے کہ
میں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ایک ہزار (صرف) امثال یاد کئے ہیں ۔ (ملیمنی جلد ا صـ۱۸)

انہوں نے حضور سے سُن سُن کر جو احادیث تحریر کیں ۔ اس کے مجموعہ کا نام انہوں نے "صادقہ" رکھا ۔ جس کے متعلق وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو زندگی کا خواہشمند یہی کتاب (صادقہ) بنا رہی ہے ۔ یہ نہ ہو تو مجھے جینے کی خواہش نہیں ہے ۔
آگے فرماتے ہیں ۔
صادقہ ایک صحیفہ (دفتر) ہے جس کو میں نے آنحضرت سے سن سن کر لکھا ہے ۔ (دارمی صـ۶۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓو کی مندرجہ صدر تصریحات کی روشنی میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا یہ بیان بغور ملاحظہ فرمائیں کہ
ہم نے خدمت نبوی میں یہ گذارش کی کہ یا رسول اللہ انا نسمع منك اشیاء فنکتبها قال اکتبوا لا حرج
یعنی یا رسول اللہ ہم آپ کی زبان سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں

اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔ تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ تو آنحضرت نے فرمایا کہ لکھتے رہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۵۱ بحوالہ طبرانی)

اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان قابل غور ہے جنہیں خود مسٹر پرویز کاتب حدیث تسلیم کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حدیثوں کے یاد نہ رہنے کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)

اسی بیان کی تائید حضرت جابرؓ ابن عباسؓ۔ ابوہریرہؓ ایسے جلیل القدر صحابہ کے بیانات سے ہوتی ہے۔ جو کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۶ اور ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۱ پر موجود ہیں۔

انہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک دوسرے بیان سے جنہیں مسٹر پرویز کاتب حدیث تسلیم کرتے ہیں عیاں ہے کہ

آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لیے ایک کتاب "الصدقہ" لکھوائی تھی جس میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق حدیثیں تھیں۔ لیکن ابھی اس کو عاملوں کے پاس بھیجنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے۔ تو انہوں نے اس پر عمل

کیا۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ و ترمذی جلد ۱ صفحہ ۷۹)

تیسرے کاتب حدیث جن کی کتابت حدیث کو مسٹر پرویز تسلیم کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مرتب کردہ "صحیفہ حضرت علیؓ" میں اسکے اپنے بیان کے مطابق خون بہا۔ اسیروں کی رہائی۔ بدعت پر لعنت۔ زکوٰۃ ایسے مسائل درج ہیں۔ جن کی تائید بخاری اور مسلم کے بیان کردہ احادیث سے ہوتی ہے۔ مگر بخوف طوالت ان کی تفصیل کی یہ کتاب حامل نہیں ہوسکتی یہاں تک آپ کے سامنے ان جلیل القدر صحابہ کے بیانات پیش کئے گئے ہیں جنہیں مسٹر پرویز کاتب حدیث مانتے ہیں۔ ان کے علاوہ بیشمار ایسے بیانات اور نوشتے موجود ہیں۔ جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں کتابتِ حدیث کو ثابت کرتے ہیں۔ مگر بخوف طوالت صرف تین اور مثالیں پیش کرنے پر اکتفا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک طویل خطبہ دیا۔ جس میں بہت سی حدیثیں ارشاد فرمائیں۔ جب خطبہ سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت ابوشاہ یمنی نے درخواست کی کہ میرے لئے یہ خطبہ لکھوا دیا جائے۔ ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور حکم دیا کہ ان کو خطبہ لکھ کر دیدیا جائے۔ (صحیح بخاری)

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے انکے شاگرد رشید ہمام بن منبہ یمانی تابعی المتوفی ۱۳۱ھ نے ان سے جو احادیث سنیں۔

ان میں سے ۱۳۸ احادیث انہوں نے ان کی زندگی میں ہی یعنی ۵۸ھ سے قبل تحریر کر لی تھیں۔ اور اس صحیفہ کا نام "الصحیفۃ الصحیحۃ" رکھا۔ ان احادیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے ۳۱۸ پر نقل کیا ہے اور اس کے دو قلمی نسخے حال ہی میں حیدرآباد دکن کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جو آج کل فرانس میں مقیم ہیں۔ برلن اور دمشق سے ڈھونڈ کر دمشق سے شائع کرائے ہیں۔ (صدق جدید۔ لکھنو۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۵۳ء)

اسی طرح حضور نے ایک مرتبہ نوشتہ لکھوا کر عمرو بن حزم کے ہاتھ اہل یمن کے پاس بھیجا تھا جس میں فرائض و سنن اور خون بہا کے مسائل درج تھے۔ اس نوشتہ میں سے ترپیٹھ حدیثیں مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۹۵-۳۹۷ پر درج ہیں۔ ایسے نظائر کی طویل فہرستیں مولینا ابو المآثر حبیب الرحمن صاحب اعظمی کی نصرۃ الحدیث میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ان شواہد و حقائق کی موجودگی میں کیا کوئی سلیم العقل انسان مسٹر پرویز کے اس دعوی کو صحیح مان سکتا ہے کہ

> "قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرم نے کسی چیز کو نہ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا۔ نہ سنا۔ نہ اس کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی"۔

ہرگز نہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ حضور کے بعد خلفاء راشدین نے بھی ان احادیث کا کوئی مجموعہ تیار کرایا۔ نہ کوئی جماعت پیدا کی جو انہیں یاد کرے۔ بلکہ برعکس اس کے ایسی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ جن سے ظاہر ہے کہ حضور اور ان کے جانشینوں نے اس کی مخالفت کی"۔

اس دعوے کے جزو اول پر تو مزید روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت ہی

نہیں۔ جبکہ خود حضورؐ کے عہد بلکہ ان کی موجودگی میں کتابتِ حدیث کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا جا چکا ہے۔ اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب "الصادقہ" حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا مجموعہ احادیث "صادقہ" ہمام یمانی کا "صحیفۃ الصحیحہ" اور حضرت علیؓ کا "صحیفہ" بزبانِ حال اس وسوسہ کی تردید کر رہے ہیں۔ باقی رہا اس وسوسہ کا جزو ثانی اس کے متعلق امور ذیل قابل غور ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لا تکتبوا عنّی غیر القرآن فرما کر لوگوں کو منع کر دیا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ تاکہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو۔ لیکن جب بقول مسٹر پرویز حضورؐ نے

"پورا پورا اطمینان کر لیا کہ اس (قرآن) کے الفاظ کتاب کے اندر اور حفاظ کے سینے میں محفوظ ہو چکے ہیں"۔

(مقامِ حدیث جلد ا صلا)

تو بعد میں حضورؐ نے صحابہ کو احادیث تحریر کرنے کی اجازت دیدی۔ جو قرآن کے بعض اصولوں کی جزئیات متعین کرتی تھیں اور حضور کی موجودگی میں اکثر تحریر کی جاتی تھیں۔ حضور کا ایسا کرنا یعنی پہلے احادیث لکھنے سے روک دینا اور بعد میں اس کی اجازت دے دینا۔ عادت اللہ کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے بھی شروع شروع میں بعض آیات میں ایسے احکام نازل فرمائے۔ جن کو بعد کی آیات سے منسوخ کر دیا۔ جیسے پہلے حکم فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کیا کرو۔ مگر بعد میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز

پڑھنے کا حکم فرمایا۔ وغیرہ۔ اس پر یہود نے مسلمانوں کو طعنہ دینا شروع کیا۔ کہ
"تمہاری کتاب (قرآن) کی بعض آیات منسوخ ہوجاتی ہیں اگر
یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی۔ تو جس عیب کی وجہ سے
اب منسوخ ہوتی ہے۔ اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ
تھی"۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ ۱۳/۱)	ہم جو کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں۔ تو (ہم) اس سے بہتر یا اس کے برابر بھیج دیتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

خود ہمارے مشاہدے میں آئے دن ایسے واقعات آتے رہتے ہیں
کہ بعض خصوصی حالات میں ہیئت حاکمہ کنٹرول یا مارشل لاء نافذ کردیتی ہے۔
مگر جونہی حالات معمول پر آجاتے ہیں۔ انہیں منسوخ کردیا جاتا ہے یا ایک
دن ایک حکم نافذ ہوتا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس کے برعکس احکام جاری
کردئے جاتے ہیں۔ اسلئے اگر مسٹر پرویز کی تذکرۃ الحفاظ سے تلاش
کردہ ان روایات

(۱) حضرت ابوبکرؓ نے ایک وقت میں بعض لوگوں کو حدیث بیان
کرنے سے روک دیا۔ یا

(۲) وہ مجموعہ حدیث جلا دیا جو انہوں نے خود حضورؐ سے نہ سنا تھا۔ یا

(۳) حضرت عمرؓ نے عراق جانے والے عمال کو ہدایت کی کہ تم وہاں کے لوگوں کو احادیث میں الجھا کر قرآن سے غافل نہ کرنا۔ یا

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بڑے جوش و خروش سے احادیث بیان نہ کرنے کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ جن کی صحت خود پیش کنندہ کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ جیسا کہ ان کے اس تذبذب سے ظاہر ہے کہ
ممکن ہے ان روایات کو محلِ نظر قرار دیا جائے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک ان کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ منشار قرآنی اور عمل رسول اللہ کے عین مطابق ہے۔ بایں ہمہ ہم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے نہ ہی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت ہے۔ (مقامِ حدیث جلد ا صـ۱۷۴)

تو بھی ہنگامی حالات میں صادر شدہ ایسے احکام خصوصی ہو سکتے ہیں عمومی نہیں چونکہ مسٹر پرویز کا مقصد صرف سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرنا ہے۔ اس لئے وہ وسوسہ پیدا کرنے کے لئے خود ادھر ادھر بغلیں جھانکنے لگے۔ اور بغلیں جھانکتے بھی یہ شوشہ، دجل چھوڑ دیا کہ یہ روایات منشار قرآنی اور عمل رسول اللہ کے عین مطابق ہیں۔ جب یہ ان کے عین مطابق ہیں۔ تو پھر اس بحث میں الجھنے سے پہلو تہی کیوں؟ اگر یہ روایات منشار قرآنی اور عملِ رسول اللہ کے عین مطابق ہیں تو خلفائے راشدین کا عمل ان روایات کے خلاف کیوں ہے؟ یعنی

اگر فی الواقع ان کے یہ نظریات دائمی تھے۔ ہنگامی نہ تھے تو انہوں نے زندگی بھر قرآن کے بعد احادیث نبوی پر عمل کیوں کیا؟ انہوں نے قرآن کے اصول وکلیات کی ان جزئیات کو قبول کیوں کیا۔ جن کے ذریعہ رسول اللہؐ نے قرآن کے معنی ومفہوم عملاً متعین کئے؟ اگر مسٹر پرویز کو ایک بھی کوئی ایسی روایت مل جاتی۔ جس سے یہ ثابت ہو سکتا کہ خلفاء راشدین نے احادیث پر عمل نہیں کیا۔ تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ مگر اس مسئلہ پر وہ اسی لئے منقار زیر پر ہیں کہ خلفاء راشدین بلکہ تمام صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین اور آئمہ سلف کی تمام تر زندگیاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یعنی اقوال واعمال کی مظہر تھیں۔ اور وہ احادیث نبوی پر عمل کرنا عین سعادت سمجھتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکواۃ۔ قربانی وغیرہ کا مدت سے اس نہج پر خاتمہ ہو چکا ہوتا جس نہج پر انہیں ختم کرنے کے لئے ۔۔ پرویز اینڈ کو نے ابطالِ حدیث کی مہم شروع کر رکھی ہے

اگر ناظرین کرام کے اکتا جانے اور کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں مسٹر پرویز کے تسلیم کردہ

تحریری معاہدات۔ احکام اور فرامین جو آنحضرت نے قبائل یا عمّال کے نام بھیجے"۔

کی ایک طویل فہرست مع متن بھی پیش کر دیتا۔ جو کتب احادیث۔ سیر اور تاریخ میں موجود ہیں اور ان سے بھی آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ مسٹر پرویز کا یہ کہنا کہ

"قرآن کریم کے علاوہ نبی اکرمؐ نے کسی چیز کو نہ لکھوایا۔ نہ یاد کرایا نہ سنا۔ نہ اس کی صحت کی کوئی سند عطا فرمائی۔"

کس قدر جھوٹ اور صریح بلکہ سفید جھوٹ ہے۔

اصطلاح محدثین میں اس واقعہ کو بھی حدیث کہا جاتا ہے کہ جو واقعہ حضورؐ کے سامنے ہوا ہو۔ اور حضور نے اس پر سکوت اختیار کیا ہو یا صاد کیا ہو۔ یا اس کی نکیر نہ فرمائی ہو۔ استاد کو اپنے شاگردوں کی یا شیخ کو اپنے مریدوں کی یا پیغمبر کو اپنے صحابہ وامت کی صحت واصلاح کا حق اسی وقت ہی پہنچتا ہے۔ جبکہ استاد یا شیخ یا پیغمبر ان میں کوئی عمل اپنی تعلیمات کے خلاف پائے۔ جب حضور نے جماعتِ صحابہ کی ساری کی ساری زندگیوں کو اپنے علم وعمل سے قرآن وحدیث کے قالب میں ڈھال دیا۔ تو اس سے بہتر سند اور کیا ہو سکتی ہے۔ بایں ہمہ حضور کے رشد وہدایت کے ضمن میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ جب خود حضور نے بعض امور اور بعض صحابہ کی صحت واصلاح فرمائی۔ مثلاً مسئلہ تقدیر پر جب ایک مرتبہ چند صحابہ مسجد نبوی میں بحث فرما رہے تھے۔ اور اوپر سے حضور تشریف فرما ہوئے تو یہ بحث سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور آپ نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ یا پردہ کے سلسلہ میں حضور کا خواتین سے یہ ارشاد فرمانا کہ پردہ صرف اسے نہیں کہتے کہ مرد عورتوں کو نہ دیکھیں۔ بلکہ عورتیں بھی غیر محرموں پر نظر نہ ڈالیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ان سے بہتر صحت کی سند اور کیا ہو سکتی ہے کیونکہ ہدایت کے ساتھ ہادی کو بھیجا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ وہ اپنے

متبعین کی عملاً صحت، واصلاح کرے۔

اندریں حالات اس معاملہ میں اب کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔ کہ قرآن کریم کے علاوہ بھی حضور کے وقت میں خود حضور کی اجازت اور حکم سے کتابت حدیث ہوتی رہی۔ بلکہ بعض دفعہ خود حضور کے حکم سے احادیث لکھ کر طلبانے کو دی جاتی رہیں۔ اور اس معاملہ میں حضور عملاً صحابہ کی صحت واصلاح بھی فرماتے رہے۔

۳۔ تدوینِ حدیث کی تاریخ

قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ احادیثِ نبوی کے جمع کرنے کا کام خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ نبوی میں ہی انفرادی طور پر شروع ہو چکا تھا۔ بعد ازاں جوں جوں حالات تقاضا کرتے گئے۔ یہ کام اجتماعی نوعیت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ آئمہ حدیث نے دین کے اس جزو اعظم کو آخری شکل میں مدوّن کر دیا۔ جو مسٹر پرویز اینڈ کو کے نزدیک اسئے ناقابلِ اعتبار ہے کہ یہ حضور کے اڑھائی سو سال بعد مدوّن ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

(۱) اگر دین کے معاملہ میں یادداشت پر بھروسہ کر لینا ہی کافی تھا تو قرآن کریم لکھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے لوگوں کی یادداشت کیوں نہ کافی سمجھی گئی (مقامِ حدیث جلد ا صفحہ ۱)

(۲) اگر یہ چیزیں (احادیث) بھی دین کا جزو ہوتیں۔ تو ظاہر ہے

کہ خود نبی اکرمؐ احادیث کا مستند مجموعہ لکھوا کر چھوڑ جاتے۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین (خلفائے راشدین) اس مجموعہ کے متعدد نسخے مختلف مقامات میں بھیجتے۔ یہی مجموعہ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ دین کا جزو بنا رہتا۔ لیکن ایسا کسی نے نہیں کیا۔ بلکہ جس طرح انفرادی طور پر بعض لوگوں نے کتب تاریخ تصنیف کیں۔ اس طرح کتب احادیث کو مدوّن کیا۔ (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۔۔)

(۳) احادیث کی وہ کتابیں یعنی صحیحین جنہیں مستند سمجھا جاتا ہے حضورؐ کے قریب دو ڈھائی سو برس کے بعد مدوّن ہوئیں۔ صحاح ستہ میں سے اولین کتاب بھی ڈیڑھ سو برس بعد مدوّن ہوئی۔ (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۶۸)

مجموعہ احادیث کو ظنی۔ غیر یقینی اور تاریخ ثابت کرنے کے لئے پرویز اینڈ کو نے انہی دلائل کو بار بار مختلف شکلوں میں دہرایا ہے۔ کہ احادیث قرآن کی طرح کیوں نہ لکھی گئیں۔ اور حضورؐ نے قرآن کی طرح ان کا نسخہ مدوّن کیوں نہ کرایا۔ ایسے حالات میں ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کی تدوین کس طرح ہوئی۔ تاکہ اس کی روشنی میں تدوینِ حدیث کے مراحل کا جائزہ لیا جاسکے۔

تدوینِ قرآن کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ (۱) قرآن کریم بھی مولا پاک نے لکھا لکھایا نازل نہیں فرمایا۔ بلکہ

اس کی مختلف آیات مختلف اوقات میں جبرائیل علیہ السلام لے کر آتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھاتے رہے۔ جو انہیں یاد کرتے رہے پھر صحابہ کرام کو سناتے رہے۔ ان میں سے جو کاتبِ وحی پر مامور تھے وہ انہیں کھالوں۔ سفید پتلے پتھروں۔ کھجور کی چوڑی چھڑیوں۔ پتوں اور شانہ۔ پسلی وغیرہ کی چوڑی ہڈیوں وغیرہ پر لکھتے رہے۔ کیونکہ اس وقت کتابت کے لئے یہی چیزیں موزوں سمجھی جاتی تھیں۔ اور انہیں کاغذ کی نسبت زیادہ پائیدار سمجھا جاتا تھا۔ اور باقی اسے حفظ کرتے رہے۔ حضور جس طرح انکی ترتیب بتاتے۔ اسی طرح آیات کتابت یا حفظ کر لی جاتیں۔ چنانچہ تدوین کے اس پہلے دور میں قرآن کریم ایک مصحف میں نہیں بلکہ مختلف صحیفوں میں لکھا ہوا۔ متفرق اشخاص کے پاس جزواً جزواً موجود تھا۔ حضورؐ کے وصال تک اس کے تمام اجزا کو ایک جلد میں مجتمع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

(۲) حضور کی رحلت کے بعد یمامہ کے جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب کی قوم سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ اور خوب ہوئی جس میں فریقین کے چیدہ چیدہ آدمی مارے گئے۔ مدعیِ نبوت کے فریق کو شکست ہوئی۔ مسلمان فتح یاب ہوئے۔ مگر ان کے بہت سے حفاظ اور قاری جنہوں نے اپنے سینہ میں قرآن کو محفوظ کیا ہوا تھا۔ شہید ہو گئے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں خلیفہِ وقت کے روبرو اپنا اندیشہ ظاہر فرمایا کہ

ان القتل قد استحر بقراء القرآن وانی اخشٰی ان یستحر القتل بقراء فی المواطن کلھا فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن

(غزوہ یمامہ میں قراء (یعنی حفاظ وعلماء قرآن) کثرت سے قتل (شہید) ہو گئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ دوسرے سبھی معرکہائے جہاد میں قراء کثرت سے قتل ہونے لگیں

(صحیح بخاری بحوالہ مفتاح السعادۃ ص۲۵۱ ج۲)

تو قرآن کا بہت سا حصہ جو ان کے سینہ میں محفوظ ہے۔ امت کے پاس نہیں رہے گا۔ لہٰذا آپ اسے جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت عمرؓ کے اندیشہ۔ اس کی اہمیت۔ اور ان کے اصرار پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کر دیا۔ پہلے تو انہیں ذرا تامل ہوا کہ جس کام (تدوین قرآن) کو حضورؐ نے خود نہیں کیا۔ اسے میں کیسے کروں مگر بعد ازاں معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر انہوں نے عہد رسالت کے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی زیر سرکردگی ایک کمیٹی مقرر کی۔ تاکہ وہ قرآن کے تمام اجزاء کو حفاظ سے باحتیاط مقابلہ کرا کر ایک جگہ جمع کرے۔ اس کمیٹی کے صدر حضرت زید بن ثابتؓ نے بھی خلیفہ اول کی طرح ترتیب و تدوین قرآن سے بایں الفاظ معذرت چاہی کہ۔

بخدا۔ اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اٹھا کر چلنے کی تکلیف (حکم) دیتے بھی۔ تو وہ میرے لئے اس حکم سے بھاری نہ ہوتا کہ قرآن کو جمع کروں۔ (مفتاح السعادت جلد ۲ ص۲۵۱)

آخر کار وہ اس پر رضامند ہوگئے اور ان کی سرکردگی میں اس کمیٹی نے بڑی حزم و احتیاط اور کدوکاوش سے قرآن کا پہلا نسخہ مرتب کرکے خلیفہ اول کے پیش کیا۔ اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ بننے پر ان کے سپرد ہوا۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے قراءت قرآن میں کچھ فرق دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی دختر نیک اختر ام المومنین حضرت حفصہؓ سے وہ صحیفے منگوائے۔ جو خلیفہ اول کے وقت حضرت زید بن ثابت کی زیر نگرانی مرتب کئے گئے تھے اور ان کو حضور کے ارشاد کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں بترتیب ایک مصحف میں لکھوایا گیا تھا۔ اور پھر اس سے چھ یا سات نسخے نقل کرکے تمام ممالک اسلام عراق۔ مصر اور شام وغیرہ کو بھیجے۔ اس طرح قرآن موجودہ ترتیب موجودہ شکل میں ۳۵ھ سے قبل عمل میں آئی۔ مگر پھر بھی اس وقت اس پر اعراب نہیں لگائے گئے تھے۔ جو پہلی صدی کے اواخر میں حجاج بن یوسف کے حکم سے لگائے گئے۔ اس طرح قرآن کریم موجودہ شکل میں آخری یا پہلی صدی ہجری کے اخیر میں مدوّن ہوا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ

الف۔ خود حق تعالیٰ نے قرآن لکھا ہوا اور ترتیب دیا ہوا نہیں بھیجا

ب۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو موجودہ شکل میں مرتب و مدوّن نہ کرایا یعنی حضورؐ کے عہد میں نہ وہ ایک صحیفہ میں یکجا لکھا گیا نہ اس

پر اعراب لگے۔

ج۔ خلیفہ اول کو اس کے مرتب کرانے میں اور کاتبِ وحی زید بن ثابتؓ کو اس کے لکھانے میں تامل رہا۔ کہ جب حضورؐ نے خود یہ کام نہیں کیا۔ تو ہم کیسے کریں۔

د۔ بعض حادثوں اور واقعوں نے قرآن کی ترتیب و تدوین کا احساس پیدا کیا۔ جن کی وجہ سے یہ قرآن آخری بار موجودہ شکل میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں جا کر مرتب و مدوّن ہوا۔

بالکل اسی طرح تین ادوار میں تدوین حدیث عمل میں آئی۔

(۱) اس کا پہلا دور حیات نبوی سے پہلی صدی ہجری کے اخیر تک رہا

اس میں

الف۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اپنی احادیث یعنی اپنے ارشادات و احکام تحریر کرائے۔ جن کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے اور جن کی تائید مسٹر پرویز کے اس بیان سے ہوتی ہے:۔

قرآن کریم کے علاوہ کچھ اور متفرق چیزیں بھی حضور کے ارشاد کے مطابق قلمبند ہوتی تھیں۔ مثلاً وہ تحریری معاہدات۔ احکام اور فرامین وغیرہ جو آنحضرت نے قبائل یا اپنے عمّال کے نام بھیجے۔ (مقام حدیث جلد ۱ ص۱۴)

ب۔ بعض صحابہ کرام حضورؐ کی اجازت سے احادیث لکھتے رہے جس کی پچھلے مضمون میں وضاحت کی جا چکی ہے اور جس کی تائید مسٹر پرویز کے

اس بیان سے ہوتی ہے کہ

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی درخواست پر انہیں (حضورؐ نے) اجازت عطا فرما دی تھی۔ کہ وہ احادیث لکھ لیا کریں۔

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۳)

(۲) کچھ حدیثیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ نے اپنے طور پر قلمبند کیں۔ (مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۵)

ج۔ عام طور پر صحابہ کرام احادیث کے سرمایہ کو اپنے سینوں میں محفوظ کرتے رہے۔ جن سے روایت کا سلسلہ آگے چلتا رہا۔ جس کی تائید مسٹر پرویز کے اس بیان سے ہوتی ہے :۔

آپؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے پاس بجز قرآن کے کوئی دوسرا صحیفہ نہیں تھا۔ کسی ضرورت کے وقت اگر وہ کوئی حدیث بیان بھی کرتے تھے۔ تو اپنے حافظہ سے بیان کرتے تھے۔ (مقام حدیث جلد صفحہ ۲۸۶)

د۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ احادیث قلمبند کر لی جائیں مشورہ کرنے پر صحابہ نے بھی ان کی تائید کی۔ ایک ماہ تک وہ اس بارہ میں استخارہ کرتے رہے۔ مگر بعد ازاں اس خیال سے رک گئے کہ مبادا پچھلی امتوں کی طرح مسلمان بھی کتاب اللہ کو چھوڑ بیٹھیں اور صرف احادیث کو دستور العمل بنا لیں۔ اسلئے انہوں نے یہ خیال ترک کر دیا۔ مگر قرآن کے بعد حدیث پر اسی طرح عمل کرتے رہے جس طرح آج تک عمل ہو رہا ہے۔

حضرت کے مرسلہ ہدایات، احکام اور فرامین کے علاوہ اسی پہلی صدی ہجری میں احادیث کے یہ مجموعے بھی مرتب ہو چکے تھے۔ جیسا کہ پہلے مفصل لکھا جا چکا ہے:-

الف۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ مجموعہ احادیث موسومہ الصحیفہ

ب۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو " " " الصادقہ

ج۔ حضرت ابوہریرہ کے شاگرد رشید ہمام یمانی کا " الصحیفہ الصحیحہ

یہ آخری مجموعہ ۵۸ھ سے قبل ہی مرتب ہو گیا تھا نصف صدی ہجری میں کیفیت یہ تھی کہ اکثر صحابہ اور صحابیات فوت ہو چکے تھے یا دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ پہلی صدی کے اواخر پر اگر آپ نظر دوڑائیں تو آپ کو آسمان نبوت کے آخری ستارے یوں ڈوبتے نظر آئیں گے:-

۱۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے بمقام شام ۸۶ھ میں وفات پائی

۲۔ حضرت عبد اللہ بن حارث " " مصر ۸۶ھ " "

۳۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی " " کوفہ ۸۸ھ " "

۴۔ حضرت سائب بن یزید " " مدینہ ۹۱ھ " "

۵۔ حضرت انس بن مالک " " بصرہ ۹۳ھ " "

ان آخری صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۱۲۸۶ حدیثیں مروی ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ پہلی صدی کے آخر تک جہاں احادیث کے چند مجموعے مرتب ہو چکے تھے۔ وہاں وہ صحابہ بھی بفضلہ موجود تھے جن سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں۔

نورِ نبوت کے یہ تمام چراغ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے سامنے گل ہو گئے۔ جو اس وقت گورنر مدینہ تھے۔ جب سنہ ۹۹ھ میں سلیمان کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوتے۔ تو اس وقت کچھ وہی حالات پیدا ہو چلے تھے۔ جن کا احساس کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اولؓ کو قرآن جمع کرنے کی تحریک کی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے والی مدینہ امام وقت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو پہلی صدی کے اختتام پر لکھا۔

اُنْظُرُوْا مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ۔ فَإِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ (مفتاح السنۃ صفحہ ۲)

تحقیق کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ثابت ہو اسے لکھ لیجیے۔ مجھے اندیشہ ہے۔ علم حدیث کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے یا وفات پانے کا

کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ صحابہ اٹھ چکے ہیں۔ تابعین بھی اپنی عمر کی آخری سرحدوں کے قریب پہنچ چکے ہیں اس لئے اگر احادیث کے اس سرمایہ کو یکجا نہ کیا گیا۔ جو مختلف سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے تو کہیں یہ مٹ نہ جائے۔ غرضیکہ اجتماعی طور پر اس سرمایہ دین کو جمع کرنے کی تحریک آخری صحابی کی وفات کے چھ سات سال بعد پہلی صدی ہجری کے اختتام کے قریب ہی شروع ہو گئی تھی۔ جس کا خود مسٹر پرویز کو اعتراف ہے:-

سنہ ۱۰۰ھ کے قریب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ (اموی خلیفہ) نے کچھ احادیث کو اپنے طور پر جمع کرایا (مقامِ حدیث جلد ۱ صفحہ ۴۸)

چنانچہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے بہ تعمیل فرمانِ خلیفۂ وقت احادیث وسنن کے دفاتر مرتب کر کے دارالخلافہ روانہ کئے جن کی نقلیں کرا کر تمام اسلامی ممالک کے مرکزی شہروں کو روانہ کی گئیں۔

(۲) سنہ ۱۰۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد تدوین حدیث کا کام دوسرے دور میں داخل ہو گیا۔ یہ دور دوسری صدی کے آخر تک رہا۔ اور اس کی ابتدا تابعین کے طبقۂ اولیٰ کے امام ومحدث شہاب الزہری المدنی نے کی۔ کیونکہ انہیں بھی دربارِ خلافت سے حدیثیں جمع کرنے اور لکھنے کا حکم ملا تھا۔ جو اپنا کام مکمل کرنے کے بعد سنہ ۱۲۴ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ ان کے بعد یہ کام تبع تابعین نے سنبھال لیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ابن جریج المتوفی سنہ ۱۵۰ھ نے مکہ میں۔ پھر ابن اسحٰقؒ المتوفی سنہ ۱۵۱ھ نے مدینہ میں۔ معمر المتوفی سنہ ۱۵۳ھ نے یمن میں۔ امام اوزاعی المتوفی سنہ ۱۵۶ھ نے شام میں۔ الربیع بن صبیح المتوفی سنہ ۱۶۰ھ نے بصرہ میں۔ سفیان ثوری المتوفی سنہ ۱۶۱ھ نے کوفہ میں۔ امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹ھ نے مدینہ میں اور ابن المبارک المتوفی سنہ ۱۸۱ھ نے خراسان میں احادیث نبوی کو لکھ کر مدوّن کیا جس کی تائید مسٹر پرویز کے اس بیان سے ہوتی ہے:-

امام ابن شہاب زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ نے خلفائے بنی امیہ

کے حکم سے ایک مختصر سا مجموعۂ احادیث تیار کیا۔۔۔۔۔
احادیث کا پہلا مجموعہ جو اس وقت دستیاب ہو سکتا ہے امام مالکؒ المتوفی ۱۷۹ھ کی کتاب مؤطا ہے۔ اس کے مختلف نسخوں میں تین سو سے پانچ سو تک احادیث ملتی ہیں۔

(مقام حدیث جلد ا صنہ ۵)

اس دوسرے دور کا آخری مجموعہ سفیان بن عیینۃ المتوفی ۱۹۸ھ نے مرتب کیا۔ اور اسی زمانہ میں وضع حدیث کا فتنہ پیدا ہوا۔ جس نے تیسری صدی کے اوائل میں وسعت پکڑی جس کا خود مسٹر پرویز کو اقبال ہے:۔

اس اڑھائی سو سال کے عرصہ میں ہزاروں ایسے منافق پیدا ہوئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کے لباسوں میں اپنی ظاہرداری کے تقویٰ اور ثقاہت کا سکہ جما کر لاکھوں حدیثیں وضع کیں اور انہیں ذاتِ رسالتمآب کی طرف منسوب کر کے آگے منتقل کر دیا۔ (مقام حدیث جلد ا صنہ ۵۵)

(۳) اس فتنۂ وضعِ حدیث نے تدوینِ حدیث کو تیسرے دور میں اور تیسری صدی میں داخل کر دیا۔ پہلی صدی کے اخیر میں تدوینِ حدیث کی ضرورت اسلئے سمجھی گئی کہ اکابر صحابہ اُٹھ چکے تھے۔ اور تابعین اُٹھتے چلے جا رہے تھے۔ جن کے سینوں میں احادیث نبوی محفوظ تھیں۔ یہ سارا کام دوسری صدی کے اخیر تک مکمل ہوا۔ مگر دوسری صدی کے اخیر یا تیسری صدی کے

آغاز میں تدوین حدیث کے کام نے پھر اسلئے وسعت پکڑی کہ اصل اور نقلی احادیث کی چھانٹی کی جاسکے۔ چنانچہ اس صدی کے کام آغاز امام بخاریؒ نے کیا۔ جو ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دس برس کی عمر میں یعنی ۲۰۴ھ میں احادیث حفظ کرنی شروع کیں۔ گیارھویں سال میں اپنے شیخ کی غلطی پکڑی۔ سولھویں سال میں کتب ابن مبارک وکتاب اسامہ وکیع یاد کر لی۔ سترھویں سال میں والدہ اور بھائی کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے۔ اور وہیں اقامت گزیں ہوئے۔ اٹھارویں سال میں آپ نے کتاب قضایائے صحابہ و تابعین تصنیف کی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ جہاں تاریخ کبیر و بخاری شریف مدون کی۔ یعنی بخاری شریف کے کام کا آغاز ۲۱۲ھ کے قریب ہوا۔ جسے اٹھارہ سال لگے۔ یعنی ۲۳۰ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔ اور ۲۵۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔ بخاری شریف کے بعد صحاح ستہ کی بقایا کتب یعنی (۲) صحیح مسلمؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) (۳) سنن ابن ماجہؒ (المتوفی ۲۷۳ھ) (۴) سنن ابی داؤدؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) (۵) سنن الترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) (۶) سنن النسائیؒ (المتوفی ۳۰۳ھ) مرتب ہوئیں جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں۔

تدوین حدیث کے پہلے دور کا سرمایہ دوسرے دور کے سرمایہ میں شامل کر دیا گیا۔ اور دوسرے دور کے سرمایہ کو تیسرے دور کے ذخیرہ میں ملا دیا گیا۔ جسے آخری صورت دی گئی تھی۔ اور اس کو قائم رکھا گیا اسلئے سابقہ نسخوں کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اگرچہ وہ اب بعض بعض

خاندانوں میں تلاش سے مل جائیں گے۔ جیسے حال ہی میں پہلی صدی کے واسطہ کا مرتب شدہ نسخہ الصحیفۃ الصحیحہ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کے دو نسخے دمشق اور برلن سے دستیاب ہوگئے۔ جنہیں مقابلہ و صحت کے بعد دمشق سے شائع کیا گیا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ

الف۔ جس طرح حق تعالیٰ نے مدوّن و مرتب شکل میں لکھا کہ قرآن کریم بھیجا۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدوّن و مرتب شدہ کتاب حدیث لکھا کر امت کے حوالے نہ کی۔ کیونکہ ان کے لئے سنت اللہ کا اتباع لازم تھا۔

ب۔ جس طرح خود رسول اکرمؐ نے قرآن کو موجودہ شکل میں مرتب و مدوّن نہ کیا۔ اس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے سرمایۂ احادیث کو موجودہ شکل میں مرتب و مدوّن نہ کیا۔ کیونکہ ان کیلئے سنت نبوی کا اتباع لازم تھا

ج۔ جس طرح خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو مرتب کرانے میں پہلے پہل تامل کیا کہ جب خود رسول اللہ یہ کام نہیں کر گئے تو میں کیسے کروں اسی طرح خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے احادیث جمع کرنے کی تحریک کرنے اور اس کے حق میں ان کے مشیروں کی رائے دینے کے باوجود احادیث قلمبند کرانے کی ہمت نہ کی۔ تاکہ لوگ انہیں کتاب اللہ کے ساتھ شامل نہ کردیں اگرچہ ان کا عمل حدیث پر ہی رہا۔

د۔ جن حادثات و واقعات نے حضرت عمرؓ کو تدوینِ قرآن کی تحریک کرنے

پر مجبور کیا۔ بعینہٖ انہی حادثات و واقعات نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو تدوین حدیث کا کام شروع کرانے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ جہاں قرآنِ پاک موجودہ شکل میں آخری بار پہلی صدی ہجری کے اخیر میں مرتب ہو گیا تھا۔ اسی طرح احادیث کا پہلا موجودہ نسخہ موطا امام مالک دوسری صدی کے وسط میں اور دوسرا نسخہ بخاری شریف تیسری صدی کے اوائل میں موجودہ شکل میں مرتب ہو گیا اگرچہ قرآن و حدیث کو لکھنے اور یاد کرنے کا کام حضورؐ کی حیات میں ہی شروع ہو چکا تھا۔

گویا کہ قرآن و حدیث کی تدوین بالکل ایک ہی انداز و معیار پر ہوئی ہے اب ان تاریخی شواہد کو پیش نظر رکھ کر مسٹر پرویز کے مذکورہ صدر ارشادات کا جائزہ لیں۔

(۱) فرماتے ہیں کہ "اگر دین کے معاملہ میں یادداشت پر بھروسہ کر لینا ہی کافی تھا۔ تو قرآن لکھوانے کی کیا ضرورت تھی"۔ بظاہر یہ دلیل ہائیڈروجن بم کی سی اہمیت رکھتی ہے۔ مگر جب ہمیں واقعات بزبانِ حال یہ بتلاتے ہیں کہ قرآن لکھوانے کی ضرورت ہی تب پیدا ہوئی جب اس کے یاد رکھنے والے حافظ اور قاری غزوں اور جہادوں میں بکثرت شہید ہونے لگے۔ تو اس ہائیڈروجن بم کی حقیقت ایک ریت کے بم کی سی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ اگر ارباب یادداشت بدستور باقی رہتے چلے آتے۔ تو قرآن لکھوانے کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوتی بلکہ بدستور حافظوں میں محفوظ رہتا۔

(۲) فرماتے ہیں "اگر احادیث دین کا جزو ہوتیں تو حضور احادیث کا مستند

مجموعہ لکھوا کر چھوڑ جاتے" جب وہ خود قرآن آخری شکل میں مدوّن و مرتّب کرا کر نہ گئے۔ تو احادیث کا مستند مجموعہ لکھوا لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ معلم القرآن و اخلاق تھے بحیثیت معلم وہ سب کچھ پڑھاتے رہے اور صحابہ کرام بحیثیت طالب علم سب کچھ اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے گئے۔

(۳) فرماتے ہیں کہ آپ کے بعد آپ کے جانشین (خلفائے راشدین) اس مجموعہ کے مصدقہ نسخے مختلف مقامات پر بھیجتے"۔ وہ تو خود مجسم مجموعہ احادیث تھے۔ بلکہ ہر صحابی حدیث کا ایک چلتا پھرتا دفتر تھا۔ انکے زمانے میں تو زیادہ تر توجہ قرآن کی تدوین و ترتیب پر رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بمشکل چھ سات قرآن مجید بلا اعراب آخری شکل میں مرتب ہوئے۔ جو مختلف ممالک کو روانہ کئے گئے۔ اور جب پہلی صدی کے اخیر میں اس پہ اعراب بھی لگ گئے اور یہ کام مکمل ہو گیا۔ تو خلافتِ راشدہ کے تتمہ یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں تدوینِ قرآن کا کام ختم ہوتے ہی تدوینِ حدیث کا کام شروع کر دیا گیا اور اس کے مصدقہ نسخے مختلف ممالک کے مرکزی شہروں میں بھیج دیئے گئے۔

(۴) فرماتے ہیں کہ صحیحین حضور کے قریب دو ڈھائی سو سال بعد مدوّن ہوئیں صحاح ستہ میں سے اولین کتاب (موطا) بھی ڈیڑھ سو برس بعد مدوّن ہوئی"۔ حالانکہ تدوینِ حدیث کا کام تو حضور کی حیات میں ہی شروع ہو گیا تھا

صحابہ کی قلیل تعداد اُسی وقت احادیث لکھ رہی تھی۔ اور کثیر تعداد انہیں سینوں میں محفوظ کر رہی تھی۔ ان کے انفرادی مجموعے دوسرے دور کے دفتروں کا جزو بن گئے۔ اور دوسرے دور کے ذخیرے تیسرے دور کی کتابوں میں منتقل کر دیے گئے جو اب تک ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق خود مسٹر پرویز کے اس اعتراف سے ہوتی ہے کہ

سنہ ۱۰۰ھ کے قریب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اموی خلیفہ نے کچھ احادیث کو اپنے طور پر جمع کرایا۔ ان کے بعد امام ابن شہاب زہریؒ المتوفی ۱۲۴ھ نے خلفائے بنی امیہ کے حکم سے ایک مختصر سا مجموعۂ احادیث تیار کیا۔۔۔ لیکن نہ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جمع کردہ احادیث کسی مدوّن شکل میں موجود ہیں اور نہ امام زہری کا مذکورۂ صدر مجموعہ ہی کہیں موجود ہے۔ البتہ بعد کی کتب احادیث میں ان کی روایات ملتی ہیں (مقام حدیث جلد ا صفحہ ۲۹-۲۸)

چونکہ ایک دور کا ذخیرہ دوسرے دور کے مجموعہ میں شامل ہوتا رہا۔ اسلئے پہلے دور کی کتب کو جو دوسرے دور کی کتب کا جزو بن گئی تھیں۔ پرویز اینڈ کو کے لئے محفوظ رکھنے کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ اسے حسن اتفاق سمجھئے یا کتب احادیث کی کرامت! کہ مسٹر پرویز کے قلم سے کسی طرح یہ بات نکل آئی ہے کہ "بعد کی کتب احادیث میں ان کی روایات ملتی ہیں"۔ ورنہ یہی سمجھا جاتا کہ یہ سارے مجموعے تیسری صدی کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

مزید براں یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج ہزارہا سال قبل کے دفن شدہ پرانے کتبے۔ سکے۔ مجسمے۔ عمارتیں۔ کھنڈرات وغیرہ برآمد کرنے والوں کی محنت اور دریافت کو سراہا جاتا ہے۔ اور ان آثارِ قدیمہ کو پڑھنے والے ماہرین کی ظن وتخمین پر مرتب شدہ تاریخ کو صحیح اور یقینی سمجھا جاتا ہے مگر اس سرمایہ دین کو جو بقول مسٹر پرویز حضورؐ کے دو اڑھائی سو سال بعد آخری شکل میں مرتب و مدون ہو گیا تھا۔ اور سوا گیارہ سو سال سے اب تک حرف حرف محفوظ چلا آ رہا ہے۔ غلط اور غیر یقینی۔ ظنی اور ناقابل اعتبار قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کے مدون کرنے والے کشتنی و گردن زدنی۔

حالانکہ سرمایہ حدیث جمع کرنے والوں کے پیش نظر کوئی تاریخ مرتب کرنا نہ تھا۔ بلکہ دین کے اس جزو اعظم کو قرآن کی طرح محفوظ کرکے منحرفین منافقین کی دست برد سے بچانا تھا۔ چنانچہ جب سے قرآن کی طرح کتب احادیث بھی آخری بار مدون و مرتب ہوئیں۔ ان میں آج تک کوئی تحریف و تخفیف نہ کر سکا۔ اور نہ کوئی قرآن کے الفاظ کی طرح حدیث کے الفاظ بدلنے پر قادر ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی طرح حدیث کو بھی محفوظ پا کر اسے بلطائف الحیل جھٹلانا شروع کر دیا۔ تاکہ کسی طرح مسلمان جو اس پر چودہ سو سال سے عمل کرتے چلے آ رہے ہیں اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں مگر ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

اگر یہ سرمایۂ دین فی الواقعہ تاریخ ہوتا۔ تو یہ آج تک دونوں کی

طرح محفوظ نہ چلا آتا۔ جیسے تاریخ کی بیسیوں کتابیں ایسی ہیں۔ جن
کا لکھا جانا ثابت ہے۔ مگر ملنا محال!

(س) کثرتِ احادیث کی حقیقت

مسٹر پرویز اینڈ کو نے ابطالِ حدیث کے سلسلہ میں جہاں اس بات کا
شور مچایا کہ پہلی ہجری کا کوئی مجموعہ مدوّن شکل میں موجود نہیں۔ وہاں انہوں
نے اس بات کا ڈھنڈورا بھی بڑے زور شور سے پیٹا کہ حضرت ابوہریرہ
نے ساڑھے پانچ ہزار کے قریب روایات کیں اور امام بخاری نے چھ لاکھ
کے قریب حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔ اتنی کثیر تعداد پر کیونکر یقین کیا جا سکتا
ہے کہ یہ صحیح ہوں گی۔ بظاہر یہ دلیلیں بڑی مرعوب کن ہیں۔ مگر جب انکا
تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تو حیرانی ہوتی ہے کہ کس طرح ان لوگوں نے
اپنی سحر طرازی سے رائی کا پہاڑ بنا کر بڑے بڑے ذی فہم لوگوں کو
دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔

پرویز اینڈ کو کی طرف سے ابھی اس بات کا شور مچایا ہی جا رہا
تھا کہ پہلی صدی ہجری کا کوئی مجموعہ حدیث مدوّن شکل میں موجود نہیں کہ
حیدر آباد دکن کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جو آج کل فرانس میں
مقیم ہیں۔ ہمام بن منبہ یمانی تابعی المتوفی ۱۳۱ھ کے جمع کردہ مجموعہ حدیث
صحیفہ ہمام کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق سے ڈھونڈ نکالے۔ اور مقدمہ
و تصحیح کے بعد اسے دمشق میں چھپوا کر شائع کر دیا۔ یہ ہمام تابعی حضرت ابوہریرہؓ

رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید تھے جنہوں نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔
ہمام یمانی نے احادیث کا یہ مجموعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی
زندگی میں ہی یعنی پہلی صدی ہجری کے وسط میں مرتب کر دیا تھا۔ اس
مجموعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ۱۳۸ حدیثیں درج
ہیں (جو مسند امام احمد بن حنبلؒ کی جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۸ پر موجود ہیں) اسلئے
پہلی صدی ہجری کے وسط کی اس تالیف کو حدیث کی "قدیم ترین کتاب"
شمار کیا گیا۔ بعض خوش فہموں کا خیال تھا کہ اس دریافت سے پرویزانیڈ
کو آئندہ کے لئے تو یہ شور نہ مچا سکیں گے کہ پہلی صدی ہجری کا کوئی مجموعہ
حدیث مدون شکل میں ہمارے پاس موجود نہیں۔ لیکن اُن خوش فہموں کی
حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اس دریافت پر پرویزانیڈ کو
کا یہ تبصرہ پڑھا کہ

"ایک شخص پہلی صدی ہجری میں بلکہ ۵۰ھ سے پہلے مدینہ
میں بیٹھ کر حضرت ابوہریرہؓ کی شاگردی میں احادیث کا مجموعہ
مرتب کرتا ہے اور اُسے کل ۱۳۸ احادیث ملتی ہیں ......
اس کے دو سو سال بعد ایک صاحب بخارا سے آتے ہیں اور
انہیں چھ لاکھ حدیثیں مل جاتی ہیں ..... اس سے ظاہر ہے
کہ اس تمام عرصے میں لوگوں نے حدیثوں کو وضع کیا اور خوب
پھیلایا۔" (مقام حدیث جلد دوم ص ۴۰۵)

جن لوگوں کا وظیفۂ حیات ہی ابطالِ حقائق ہو وہ بڑی سے بڑی سچائی

کو بھی جھٹلانے پر عادتاً مجبور ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ انہوں نے ایک حقیقت ثابتہ کو بھی ابطالِ حدیث کا ذریعہ بنا دیا۔ ممکن ہے اس سے آپ یہ خیال کریں کہ پرویزا بنڈ کو کے نزدیک یہ روایات تو معتبر ہونگی ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک صحیحین کی کوئی حدیث قابل قبول یا حجت نہیں۔ جیسا کہ مسٹر پرویز لکھتے ہیں کہ

۱۔ اگر کچھ احادیث کسی نے اپنے طور پر لکھی کر لی ہوں۔ تو امت کیلئے وہ سند نہیں ہو سکتیں (مقام حدیث جلد ا ص۴۲)

۲۔ اگر یہ کسی طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر صحیح ہے۔ تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضور کے زمانۂ مبارک میں دین کے فلاں گوشے پر کس طرح عمل کیا گیا تھا۔

(مقام حدیث جلد ا ص۶۶)

اندریں حالات ان لوگوں سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ حدیث کے بارہ میں اپنے انکار و ابطال کے پروگرام سے ایک انچ کے لئے بھی پیچھے ہٹ جائیں۔ خواہ آپ حضور کی "کتاب الصدقہ" حضرت علیؓ کا صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا "الصادقہ" اور ہمام یمانی کا "الصحیفۃ الصحیحۃ" بھی بعد تلاش ان کے سامنے لا کر رکھ دیں۔ البتہ ناقابل تردید حقائق و شواہد ابطالِ حدیث کے سلسلہ میں ان کی عیاری و دسیسہ کاری اور دجل و فریب کو روزِ روشن کی طرح بے نقاب کر دیتے ہیں۔ اور جن اعداد و شمار کو پرویزانیڈ کو احادیث کے وضعی ہونے کی دلیل بناتے ہیں۔ وہی اعداد و شمار پرویزانیڈ کو

کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں۔

اس وقت حدیث کی جس قدر کتابیں موجود ہیں۔ان میں درج شدہ صحیح احادیث کی تعداد ایک لاکھ سے کم ہے لیکن چونکہ پرویزیئڈ کو بار بار امام بخاریؒ کی حفظ کردہ چھ لاکھ احادیث کی تعداد کثیر پیش کرکے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔کہ یہ تعداد وضعی احادیث کی ہوسکتی ہے۔حقیقتاً اس قدر احادیث کا پایا جانا ناممکنات سے ہے اسلئے ذیل میں پہلے اسی چھ لاکھ کی تعداد کا تجزیہ کیا جائیگا۔ اسکے بعد اس امر پر روشنی ڈالی جائے گی۔کہ اگر یہ ساری احادیث صحیح تھیں تو امام بخاری نے اپنی کتاب میں صرف تین ہزار احادیث کیوں درج کیں۔ اور باقیوں کو کیوں اور کیا سمجھ کر چھوڑ دیا۔اور اس کے بعد یہ بتایا جائیگا کہ امام بیانی نے صرف ۲۸ احادیث کیوں بیان کیں۔ اور اس سے زیادہ بیان نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اور حضرت ابوہریرہؓ کی کثیر روایات کی حقیقت کیا ہے۔

کثرتِ احادیث کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر ایک نظر ڈالیں۔حضورؐ نبی ہونے کے باوجود ایک عام انسان کی طرح بازاروں اور گلیوں میں بھی پھرا کرتے تھے۔جہاں بعض لوگ ان کو بنظرِ غور دیکھتے۔اور بعض سے وہ خود لین دین اور گفتگو کرتے وہ ایک خانہ دار کی طرح ازدواجی زندگی بھی بسر کرتے تھے اور امورِ خانہ داری میں پورا پورا حصہ لیتے تھے۔ وسائل معاشی

کے لیے تجارت بھی کرتے تھے۔ فرائضِ پیغمبری بجا لانے کے لئے لوگوں کو تبلیغ و تلقین بھی کرتے تھے۔ قرآن کی تعلیم و تفسیر سے اپنے قول و فعل سے لوگوں کو درسِ حیات بھی دیتے تھے۔ مسجدِ نبوی میں خطیب و امام کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ لوگوں کے باہمی تنازعات و مقدمات کا فیصلہ بھی دیتے تھے۔ دوسرے ملکوں کے سفراء اور عمال کے لئے فرامین و مکاتیب بھی جاری کرتے تھے۔ اور بوقتِ ضرورت میدانِ کارزار میں رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ جن کی وجہ سے ان کی زندگی کا کوئی صیغہ پردۂ راز میں نہ رہ تھا۔ اگر مخالفین کی "سرچ لائٹ" ان کی خلوت تک کے حالات کو روشنی میں لانے کے لئے ہر وقت متحرک رہتی تھی۔ تو موافقین کی نظروں کے کیمرے ہر لمحہ ان کی جلوت کے فوٹو لینے میں مصروف نظر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کے ہر پہلو کے فوٹو راویوں کے ذہنوں میں محفوظ تھے۔ جن سے متاثر ہو کر ان کے سیرت نگار باسورتھ سمتھ کو بادلِ ناخواستہ حضور کی زندگی کے حالات کے متعلق اعتراف کرنا پڑا کہ

> یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے۔ اور راویوں کے ذریعہ ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔
>
> (سیرۃ رسولؐ صفحہ ۱)

ایسے حالات میں آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دن میں ان سے کتنے اقوال و افعال کا صدور ہوتا ہوگا۔ ایسا اندازہ لگانا چنداں مشکل بھی نہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنے روزمرہ کے اقوال و افعال کا محاسبہ کر کے اس کا بخوبی اندازہ

کر سکتا ہے۔ حضور کی زندگی کے اس عمومی نقشہ کو سامنے رکھنے کے بعد ان چھ لاکھ حدیثوں کو حضور کی حیات نبوی پر جب پھیلاتے ہیں۔ تو یا عداد و شمار برآمد ہوتے ہیں۔

حضور کی حیات نبوی کا عرصہ:۔ ۲۳ سال یعنی ۸۳۹۵ دن کا تھا۔ اگر ان چھ لاکھ احادیث کو ۸۳۹۵ دنوں پر تقسیم کیا جائے۔ تو روز کی ۷۱ حدیثیں نکلتی ہیں جب ہم ایسے عامیوں کے دن میں سینکڑوں اقوال و افعال و واقعات منصہ شہود پر آتے ہیں۔ تو اس ہادی بشیر و نذیر کی یومیہ اوسط حدیث (۷۱) پر اظہار استعجاب کیوں ؟ کیا یہ ناممکنات سے ہے ؟

اسی چھ لاکھ کے عدد کو دوسرے پیمانے سے ناپا جائے۔ تو معاملہ اور بھی صاف ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل واقعات کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

الف :۔ حضورؐ کی حیثیت اُس وقت بقول مسٹر پرویز مرکز ملت کی تھی۔ دور دراز مقامات اور ممالک سے لوگ نہ خود قرآن و حدیث سننے کے لئے آتے تھے اور حضورؐ سے احکام و فرامین لے جاتے تھے۔ اور واپس جا کر وہ دوسرے لوگوں کو پہنچا دیتے تھے۔ اور روزانہ ایسا ہوتا رہتا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی ہم دونوں امیہ بن زید والوں کی بستی میں رہتے تھے۔ جو مدینہ کے عوالی کی بستیوں میں سے ہے ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے

تھے۔ ایک دن وہ حاضر ہوتے۔ ایک دن میں حاضری دیتا۔ میں جس دن حاضر ہوتا۔ اس دن کے حالات اور خبریں۔ وحی وغیرہ کی ان کو سناتا۔ اور جب وہ حاضر ہوتے۔ تو وہ بھی یہی کرتے۔
(صحیح بخاری)

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مہاجرین نے اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لیے چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں جاری کی ہوئی تھیں جس گاؤں میں حضرت عمرؓ رہتے تھے۔ وہاں ان کی زیر نگرانی کپڑے بننے کی کھڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ جن میں سینکڑوں مہاجر کام کرتے تھے۔ سنح نامی گاؤں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کارخانہ تھا۔ اور وہاں بھی کافی تعداد میں لوگ مصروف کار رہتے تھے اور انصار کھیتی باڑی میں لگے رہتے تھے۔ اسلئے سب کے سب تو کام چھوڑ کر حضورؐ کے پاس نہیں جا سکتے تھے اور نہ جاتے تھے۔ بلکہ ہر گاؤں۔ قریہ کارخانہ اور کھیت سے روزانہ ایک ایک دو دو آدمی دربار رسالت میں پہنچتے اور وہاں سے قرآن وحدیث سن کر دوسروں تک پہنچاتے اس طرح ہر روز ہزاروں انسانوں تک قرآن واحادیث پہنچ رہی تھیں۔

ب۔ ان کے علاوہ مسجد نبوی میں ایک مستقل جماعت اصحاب صفہ کے نام سے موجود تھی جن کے قیام وطعام کا انتظام خود حضورؐ ———— اور مدینہ کے خوش باش لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ وہ صحابی تھے جنہوں نے معاشی افکار سے بے فکر ہو کر اپنا وظیفہ حیات ہی یہ بنا لیا تھا۔ کہ قرآن و حدیث سنتے۔ اسے سینوں میں محفوظ کرتے اور جب اس مدرسہ سے باہر نکلتے۔

تو دوسروں تک دین کی باتیں پہنچاتے جاتے۔ اس جماعت کے سربراہ حضرت ابوہریرہ یمانی رضی اللہ عنہ تھے۔ جو دوسروں کی نسبت حضورؐ کے زیادہ قریب رہتے تھے۔ اسی لئے ان سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔ اس وقت مدرسے۔ کالج اور یونیورسٹیاں تو کہیں نہیں تھیں۔ البتہ مسجد نبوی بذاتِ خود علم و عمل کا ایک ادارہ اور یونیورسٹی تھا۔ جس سے ہزاروں لوگ قرآن و حدیث کی تعلیم و تربیت لیتے تھے۔

ج۔ حضورؐ نے بنفس نفیس متعدد جنگوں میں حصہ لیا جن میں حضورؐ کے ساتھ دو ہزار سے لے کر بیس ہزار تک مجاہدین شریک رہے۔ جو حضور کے اقوال و افعال و احوال سے سبق حاصل کرتے تھے۔ اور جب یہ ہزارہا مجاہد رزم گاہوں سے واپس لوٹتے۔ تو وہی اپنی بزم گاہوں کو ذکرِ اللہ اور ذکرِ رسول سے سجاتے۔ اور اس طرح قرآن و حدیث کے پہنچانے اور پہنچنے کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا۔ کیا ایسے حالات میں چھ لاکھ احادیث کا جمع ہوجانا عجیب اغلب بن جاتا ہے۔ جبکہ بیک وقت ہزارہا انسان حضور کے قول و فعل کو سننے اور دیکھنے والے موجود ہوں۔ بلکہ اگر اسی وقت احادیث جمع کرنے کا باقاعدہ کام شروع کر دیا جاتا۔ تو یقیناً چھ لاکھ کی بجائے چھ کروڑ احادیث جمع ہو جاتیں اور اعداد و شمار کی رو سے ایسا قطعاً ناممکن نہ ہوتا۔

اب اسی چھ لاکھ کے عدد کو اس طرح وزن کیجئے کہ سنہ۱۰ھ میں حج کے موقعہ پر حضور کے ساتھ قریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کی کثیر جماعت تھی۔ یہ مسلمان ملک کے ہر حصے سے آئے ہوئے تھے جو اس وقت

حضورؐ کے خطبات۔ ارشادات۔ احکامات سن رہے تھے اور حضورؐ کو بچشمِ خود مشاہدہ کر رہے تھے۔ ان ڈیڑھ لاکھ شمعِ رسالت کے پروانوں نے اس موقعہ پر جو کچھ سنا اور دیکھا۔ وہ منتشر ہونے کے بعد ساری دنیا میں نشر کر دیا۔ اگر ان ڈیڑھ لاکھ انسانوں نے حضورؐ کی صرف چار باتیں بھی بیان کی ہوں تو ان کا مجموعہ چھ لاکھ بن جاتا ہے۔ کیا ڈیڑھ لاکھ انسان قریباً ایک ہی نوعیت کی چھ لاکھ احادیث بیان کرنے سے عاجز تھے۔ اگر اسی زمانہ میں ان کو جمع کرنے کا کوئی ایسا انتظام کیا جاتا تو یقیناً چھ لاکھ سے زیادہ حدیثیں جمع ہو جاتیں اور اگر اس میں ان کی تعداد بھی شامل کر لی جاتی۔ جن تک ان ڈیڑھ لاکھ حاجیوں نے حضورؐ کی احادیث پہنچائیں۔ تو یہ تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی۔

اس سے قطع نظر اگر ان چھ لاکھ احادیث کا اس طرح جائزہ لیا جائے۔ کہ حضورؐ کے صحابہ کی تعداد کتنی تھی۔ اور ہر ایک نے کس قدر روایات کیں۔ تو بھی چھ لاکھ کی تعداد بالکل معمولی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ حیاتِ نبوی کے آخری سال صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ جن میں سے ان گیارہ ہزار صحابہ کے نام و نشان تاریخ کے اوراق میں موجود اور محفوظ ہیں۔ جنہوں نے حضورؐ کے اقوال۔ افعال اور احوال کو دوسروں تک پہنچایا۔ اگر صحابہ کی مجموعی تعداد یعنی ایک لاکھ پر نظر دوڑائی جائے۔ تو ہر صحابی کی ساری عمر کا ذخیرہ اور اندوختہ چھ احادیث نکلیں تو ایک لاکھ صحابہ کا چھ لاکھ احادیث بیان کرنا کیسے غلط ہوا۔ اگر ایک لاکھ کی تعداد سے بھی اغماض کیا جائے

اور صرف انہی گیارہ ہزار صحابہ کرام کی تعداد سے کام لیا جائے۔ جن کا نام ونشان بحیثیت راویِ حدیث تاریخ کی کتابوں میں موجود و محفوظ ہے۔ تو بھی چھ لاکھ کو گیارہ ہزار پر تقسیم کرنے سے فی کس ۵۴ احادیث نکلتی ہیں یعنی ان میں سے ہر شخص نے حیاتِ نبوی کے ۸۲۹۵ دنوں کی صرف ۵۴ باتیں حضور کی اپنے سینہ میں محفوظ کیں۔ اب آپ ہی انصاف کریں کہ اتنے دنوں کی ۵۴ باتیں اگر ہر ایک کے حصہ میں آئیں۔ تو وہ کیسے وضعی ہو سکتی ہیں۔ کیا ایک عاشقِ صادق کے ذہن میں اپنے محبوب کی ساری عمر نبوت کی قریباً ۵۵ نوادر اور ادائیں کا محفوظ رہ جانا ناممکنات سے ہے۔

انہی چھ لاکھ کی تعداد کو اگر خود امام بخاریؒ کے اپنے بیان کی روشنی میں جانچا جائے۔ تو بھی یہ تعداد کوئی بہت بڑی تعداد ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے اسیّ (۸۰) ہزار اشخاص سے روایت کی ہے۔ جو سب کے سب صاحبِ حدیث تھے۔ یعنی آپ نے اسیّ ہزار اشخاص سے چھ لاکھ احادیث سنیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے فی کس اوسطاً ساڑھے سات احادیث سنیں۔ تو کیا ایک شخص کو اپنی زندگی کے اہم واقعات سے سات آٹھ باتیں یاد نہیں رہ سکتیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضورؐ اپنے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ بَلِّغُوا عنّی مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو فلیبلغ الشاهد الغائب جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سن رہے ہیں۔ وہ ان کو مطلع کر دیں۔ جو اس سے محروم رہے ہیں۔ چونکہ اس وقت

نشر گاہوں کا کام صحابہ سے ہی لیا جاتا تھا۔ اور ہر صحابی ایک ریڈیو سٹیشن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسلئے ان کو حضورؐ نے اپنا پیغام دوسروں تک سلسلہ بسلسلہ پہنچانے کی تاکید فرمائی۔ کیونکہ آپ صرف اسی زمانہ کے لئے ہی نبی نہ تھے۔ کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا۔ لوگوں نے سنا۔ اور وہیں ختم کر دیا۔ بلکہ آپ تو قیامت تک کے لئے نبی تھے۔ اور آپ کا پیغام اس وقت تک پیدا ہونے والے مسلمان کے کان میں بھی پہنچ سکتا ہے جب انکے پیغام کو سلسلہ بسلسلہ دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے۔ ورنہ اس سلسلے کے منقطع ہونے سے منصب نبوت عارضی ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے صحابہ کرام حضورؐ سے جو کچھ سنتے یا دیکھتے تو وہ اپنی اپنی اولادوں۔ عزیزوں۔ دوستوں اور ملنے والوں کو نہ صرف سناتے بلکہ حفظ کرا دیتے۔ اور اس کے ساتھ وہ اس بات کی بھی امکانی احتیاط کرتے کہ حضورؐ کے فرمان کے ساتھ کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے۔ جو غلط ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہدید کی یہ تلوار ہر وقت ان کے سروں پہ لٹکتی رہتی تھی۔ کہ

"جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔"

اسلئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ حضورؐ کے اقوال و افعال و احوال نقل فرماتے اور عذاب جہنم کے خوف سے مزید احتیاط کے لئے اوکما قال (کہ حضورؐ نے ایسا فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب فرمایا تھا) بھی ساتھ کہہ دیتے تھے۔ مگر مسٹر پرویز نے انکی

اس احتیاط سے تلبیس کا کام لیا۔ اور اس آڑ میں لوگوں کو یوں گمراہ کرنے اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی کہ :-

جب آپ آیت قرآنی کو پڑھتے ہیں تو پورے عزم و یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ قال اللہ تعالیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا) لیکن جب کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے۔ تو اس کے لیے یہ الفاظ دہرائے جاتے ہیں کہ او کما قال رسول اللہ (یعنی یوں یا جیسے حضور نے فرمایا) یہ چیز بعد کی وضع کردہ نہیں بلکہ خود صحابہ کا بھی یہی انداز تھا۔۔۔۔۔ یہ چیزیں اس پر شاہد ہیں کہ آج حدیث کو دین ماننے والوں کو بھی اس امر کا یقین نہیں ہوتا۔ کہ رسول اللہ نے یہی فرمایا تھا یا کچھ اور۔ (مقام حدیث جلد ۱ ص ۵۳)

آخر دور کی سوجھنے والوں کو دور کی ہی سوجھی۔ احتیاط کو انکار کا جامہ پہنا دیا حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس طرح اللہ جل شانہ نے اپنے کلام کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اسی طرح حضور نے بھی اپنی احادیث کی حفاظت کے لئے یہ سخت وعید فرمائی کہ جس نے میرے متعلق غلط بیانی سے کام لیا۔ اسے جہنم واصل ہونا ہوگا۔ تاکہ بدباطن لوگ دین کے اس صاف و شفاف چشمہ کو گندہ نہ کر سکیں۔ اور جب ایسے لوگوں نے اس چشمہ کو گندہ کرنا شروع کیا۔ تو علماء امت نے ان کی ریشہ دوانیوں کے انسداد کے لیے احادیث کی تدوین کا وظیفہ عظمیٰ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور انتہائی چھان بین کے بعد موضوعات اور بناوٹی الگ کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ خود مسٹر پرویز کو اس بات کا اقرار

ہے کہ

امام بخاریؒ نے قریب چھ لاکھ احادیث اکٹھی کیں۔ اور ان میں سے کانٹ چھانٹ کر جو مجموعہ تیار کیا۔ اس میں مکررات کو حذف کر دینے کے بعد دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) احادیث ہیں۔

(مقام حدیث جلد اول صفحہ)

گویا بقول مسٹر پرویز امام بخاریؒ نے اٹھارہ سال کی ریسرچ اور محنت شاقہ کے بل اپنی صحیح بخاری میں حضورؐ کی حیات نبوی کے ۸۳۹۵ دنوں کی ۲۶۳۰ باتیں یا حدیثیں درج کی ہیں یعنی حضورؐ کے تین دن کے اقوال افعال و احوال سے قریباً ایک حدیث بخاری شریف میں درج ہے۔

ان اعداد و شمار کی روشنی میں اب آپ ہی انصاف کریں کہ یہ مجموعہ بخاری احادیث کا عطر ہے۔ طلوع اسلام حدیث کے اس صحیح ترین مجموعہ کو وضعی قرار دینا انکار حدیث ہے یا حیات نبوی کے نقش و نگار کو مٹانا اور دین کے اس محفوظ ترین سرمایہ کو ہمیشہ کے لئے مٹا کر مسلمانوں کو بے دین بنانا ہے۔

(۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث سے بخاری شریف میں تین ہزار کے قریب احادیث کیوں درج کیں؟ اور باقیوں کو کیا سمجھ کر متروک کیا۔ اس کے متعلق مسٹر پرویز کا فیصلہ تو یہ ہے کہ

امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثیں اکٹھی کیں یعنی جو لوگ ان کے سامنے موجود تھے۔ ان سے سنیں اور اس کے بعد اپنی بصیرت

کے مطابق ان میں سے پانچ لاکھ ستانوے ہزار کو ناقابل
اعتبار سمجھ کر مسترد قرار دیا۔ اور بقایا تین ہزار کے قریب اپنی
کتاب میں درج کر لیں۔ (مقام حدیث جلد ۱ ص۵۶)

یہ صرف مسٹر پرویز کا استنباط بلکہ بہتان ہے۔ ورنہ امام بخاری نے بقیہ احادیث
کو ناقابل اعتبار ہونے کی وجہ سے درج کتاب نہیں کیا۔ بلکہ اصول حدیث
کے ماتحت انہوں نے ایسا کیا ہے اور ساتھ ہی طوالت ذخیرہ بھی مانع
تھی۔ دربارِ نبوی کی نشریات جس طریق پر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر
سنی جا رہی تھیں۔ ان کی اوپر وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضور کے ایک
ایک ارشاد کو بیسیوں۔ سینکڑوں۔ ہزاروں اور لاکھوں مسلمان بیک وقت
سنتے اور اپنے اپنے ان عزیزوں۔ رشتہ داروں۔ دوستوں اور واقف کاروں
کو سناتے جو اس وقت موجود نہ ہوتے اور پھر ان کے توسط سے دوسرے
لوگ سنتے جن میں سے بعض ان احادیث کو لکھ لیتے اور اکثر یاد رکھتے
اور اسی طرح یہ سلسلہ کچھ عرصہ چلتا رہا۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں
جب دشمنانِ اسلام نے تعلیماتِ اسلام کی تحریف کی کوششیں شروع
کیں۔ تو آئمہ اسلام نے تعلیم دین کے اس ذخیرہ کو محفوظ کرنے کے لئے
تدوینِ حدیث کا کام شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ ایک ایک حدیث
ہزاروں بلکہ لاکھوں سینوں میں محفوظ تھی۔ جب ان سب کو جمع کیا گیا تو
ایک ایک موضوع پر ہزاروں حدیثوں کا دفتر لگ گیا۔ اس کے بعد ان کی
ترتیب کا کام شروع ہوا۔ جو احادیث کے جمع کرنے سے بھی زیادہ کٹھن

اور مشکل تھا۔ کیونکہ آئمہ حدیث ایک ایک حدیث کو اصول حدیث کے ترازو پر وزن کرتے جاتے اور صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ موضوع۔ متروک۔ محفوظ معروف وغیرہ کے حساب سے ان کو الگ الگ کرتے جاتے۔ اس طرح لاکھوں کی تعداد ہزاروں میں بدل گئی۔ یعنی مختلف قسم کی احادیث کے کئی دفتر بن گئے۔ پھر ہر ایک دفتر سے مختلف امور زندگی کے متعلق احادیث کو الگ الگ کیا گیا جس سے ان کی تعداد اور گھٹ گئی۔ مگر پھر بھی ہر موضوع پر کئی کئی صحیح احادیث باقی رہ گئیں۔ اور جب ان میں سے مکررات کو الگ کر دیا گیا۔ تو وہ سینکڑوں تک جا پہنچیں۔ جو آج ہمارے سامنے ہیں۔ اسلئے ان کا کثرت سے قلت میں بدل جانا ان کے زائد ناقابل اعتبار ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ محدثین کی حدود و قیود کی وجہ سے ہے۔ جیسے عدالت میں ایک شخص صحیح واقعہ بیان کرتا ہے۔ مگر وہ ایکٹ شہادت کی مقتضیات پر پورا نہیں اترتا۔ اسلئے اس کی شہادت مسترد کر دی جاتی ہے۔ یا جیسے ایک مسلمان سال کے اختتام سے ذرا قبل اپنا قابل زکواۃ اندوختہ مختلف طریق پر اس طرح بکھیر دیتا ہے کہ وہ صاحب نصاب نہیں رہتا۔ تو قاضی اس کی بریت کا فتویٰ دینے میں حق بجانب ہوگا۔ مگر تقویٰ اسے بدستور مجرم سمجھے گا۔ اسی طرح دنیا کے ہر دستور کا منشا اور ہوتا ہے اور ضابطہ اور ہوتا ہے۔ چونکہ وہ احادیث جو شامل مجموعہ نہ کی جا سکیں۔ صحیح ہونے کے باوجود اصول حدیث پر پوری نہ اترتی تھیں اور ساتھ ہی طوالت و تکرار کا اندیشہ بھی تھا۔ اسلئے ان سب کو شامل مجموعہ

ترکیا گیا۔ بلکہ انہی پر اکتفا کیا گیا جو ہر طرح صحیح ثابت ہوئیں۔

اندریں حالات اصول و ضوابط کی پابندیوں کی وجہ سے اگر بعض امور واقعی شامل کتب نہیں ہو سکے۔ تو اس سے یہ کہنا لازم نہیں آتا کہ وہ ناقابل اعتبار تھے۔ اور اگر ان امور کی کثرت ناقابل اعتبار ہوتی تو تحقیقاً ثابت شدہ صحیح امور بھی ناقابل اعتبار بن گئے یہ دلیل بالکل ایسی ہے۔ جیسے ایک حقیقی قاتل چشم دید شاہدوں کی موجودگی میں شہادتوں کے معیار قانون پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے بری ہو جائے۔ اور آپ یہ سمجھنے لگیں کہ واقعی اس نے قتل ہی نہیں کیا تھا۔

(۳)

انسان جب جمہور کے مسلک سے ہٹ کر اپنے تفردات منوانے پر تلا ہوا ہوتا ہے۔ تو وہ خواہی نخواہی ہر بات کو کھینچ تان کر اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہی حال پرویزوں اور جیراجپوریوں کا ہے کہ انہوں نے حدیث کے دریافت شدہ قدیم ترین نسخہ کی ۱۳۸ حدیثوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جب ایک شخص ۱۸ھ سے قبل صرف ۱۳۸ حدیثوں کا مجموعہ مرتب کرتا ہے۔ تو لازمی طور پر بعد میں مرتب ہونے والے مجموعے وضعی حدیثوں پر مشتمل ہیں۔ جو لوگ اپنی عقل و فہم سے مدد لینے کی بجائے اندھا دھند سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے کے عادی ہیں ممکن ہے ان کے لئے یہ دلیل آئینہ کا اثر رکھتی ہو۔ مگر ایک سلیم العقل انسان تو یہ دلیل قطعاً تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ چونکہ پہلی صدی کے وسط میں مرتب ہونے والا مجموعہ ۱۳۸ احادیثوں پر مشتمل ہے لہذا اس سے ڈیڑھ سو سال بعد مرتب ہونے

والے سب مجموعے غلط ہیں۔ اس دلیل میں بھی وزن پیدا کیا جا سکتا تھا۔ اگر مضمون نگار ساتھ ہی یہ بھی اضافہ کر دیتے کہ اس مجموعہ کے مرتب ہونے کے بعد کوئی ایسا شخص رہا ہی نہ تھا۔ جس کے پاس حدیث ہوتی۔

۱۳۸ حدیثوں پر احادیث کے دوسرے مستند مجموعوں کی تردید کی بنیاد رکھنا بجز حقائق پر ظن وتخمین کی پل بنانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ہر شخص کا ذوق۔ خیال۔ پسند اور ضرورت مختلف ہوتی ہے۔ ایک ہی شعر ایک مجلس میں کسی کو ہنسا دیتا ہے کسی کو رُلا دیتا ہے۔ کوئی اس پر وجد کر رہا ہوتا ہے اور کوئی لاحول پڑھ رہا ہوتا ہے۔ کوئی اسے نوٹ کر رہا ہوتا ہے اور کوئی اس کا تمسخر اڑا رہا ہوتا ہے۔ ایسی ہی حالت تقریر کے دوران میں سامعین کی ہوتی ہے کہ ہر شخص تقریر میں سے اپنی ضرورت و پسند کے فقرات ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے اور باقی تقریر وہیں جھاڑ کر چلا آتا ہے۔ اسی طرح اگر ارباب ذوق کی بیاضوں کا جائزہ لیا جائے۔ تو ہر ایک کی بیاض میں ایک ہی شاعر۔ مفکر یا مدبر کے مختلف اقوال لکھے ہوئے ملیں گے۔ بعضوں میں کم ہوں گے بعضوں میں زیادہ اور بعض کے ہاں کچھ بھی درج نہ ہوگا۔ یہی حالت احادیث کے ان ابتدائی مجموعوں کی تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ یا خلفائے راشدین کے زمانہ میں مرتب ہوئے۔ اور جن کے وجود کا روایات اور تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔ اُس وقت ہر صحابی یا تابعی نے حضور کے فرمودات میں سے جن کو اپنی یا اپنے تعلق والوں کی اصلاح کے لئے ضروری سمجھا اپنے طور نوٹ کر لیا۔ اگر انہیں اس فتنہ کا علم ہوتا کہ ہمارے بعد ایسے منکرین

ضلالت بھی پیدا ہوں گے۔ جو حضور کے ارشادات و فرمودات کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہو جائیں گے۔ تو وہ یقیناً ان کو اسی اہتمام کے ساتھ قلمبند کرتے جس اہتمام کے ساتھ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ قلمبند کیے گئے۔ اسلئے اس وقت کے مرتب شدہ کسی مجموعہ حدیث پر اپنے دعویٰ کی دلیل کے لیے مجموعۂ کامل کے طور پر حصر کرنا سوائے خود فریبی کے اور کچھ نہیں۔ ایسے مجموعوں سے تو مابعد کے مجموعوں کے مضامین کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ احادیث کو منضبط کرنے کی پہلی انفرادی کوششیں حضور کے عہد سے دو سو سال بعد شروع نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ ان کے زمانہ میں بھی ایسی کوششیں کی گئی تھیں اور اس وقت ان کے انضباط کی زیادہ کوشش اسلئے نہ کی گئی کہ حضور کی ساری زندگی جسے حدیثِ مجسم کہنا چاہیئے۔ ان کے سامنے تھی۔ اور انہوں نے اپنی زندگیاں خود ان کے اسوہ میں ڈھال لی تھیں۔

مزید براں محض لوگوں کو بدگمان کرنے اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لئے صرف ایک راوی کی چند احادیث کے مجموعہ کو حتمی ظاہر کر کے بعد کی جمع شدہ ہزاروں راویوں کی صحیح اور مصدقہ روایات کو جھٹلانا اور وضعی ظاہر کرنا کہاں کا اصول اور دیانت ہے؟

(۴)

امام بخاریؒ کے بعد مبطلینِ حدیث کا نشانۂ تنقید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کو جماعت صفہ کے سردار ہونے کی وجہ سے حضورؐ کا زیادہ قرب

حاصل تھا۔ ان کے متعلق مسٹر پرویز کے استاذ حضرت علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا ارشاد ہے :۔

"جماعتِ صحابہ میں سب سے زیادہ جس کے نام سے روایتیں بیان کی گئی ہیں وہ حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ ابن مخلد کا بیان ہے کہ انکی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے حالانکہ وہ عام خیبر میں اسلام لائے اور تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں شرف یابی کا موقع پایا۔ پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ ان کی روایتیں اس قدر ہو سکتی ہیں"۔

(مقام حدیث جلد ۱ صفحہ ۱)

بظاہر یہ دعویٰ کتنا مرعوب کن ہے لیکن اگر تین سالوں یعنی ۳×۳۶۵ = ۱۰۹۵ دنوں پر ۵۳۷۴ حدیثوں کو پھیلایا جائے۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے ان تین سالوں کے عرصہ میں ہر روز حضور کے اقوال اعمال اور احوال سے قریبًا پانچ حدیثیں روزانہ یاد کیں۔ کیا یہ اتنی بڑی تعداد ہے جسے عقل سلیم ناقابل یقین قرار دے دے؟ ہرگز نہیں البتہ عقل سقیم سے ایسی توقع بعید نہیں۔ ایک دن کی پانچ حدیثیں تو اس بات کی دلیل ہیں کہ سب سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے صحابی نے بھی سب سے کم روزانہ اوسط حدیثیں بیان کیں۔ کیا ان کے سامنے حضورؐ کی دن میں پانچ قابل ذکر باتیں بھی نہیں ہوتی ہونگی؟

غرضیکہ جب کسی جماعت کا مقصد ہی مسلمانوں میں وسوسہ دفتنہ

پھیلاتا ہو۔ تو وہ ہر قسم کے فریب اور تلبیس سے کام لینا جائز سمجھتی ہے خواہ وہ عقل و خرد کی ترازو میں پورا کبھی نہ اترے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں آپ ہی انصاف فرمائیں کہ سرمایۂ حدیث کو عجمی سازش قرار دینے والوں نے کثرتِ احادیث کی آڑ میں مسلمانوں کو دین سے بے دین کرنے کیلئے کتنا دھوکا اور بہت بڑا دھوکا دیا۔

تجزیہ

تصریحات بالا سے یہ امور خود پرویز اینڈ کو کی تحریروں کے آئینہ میں واضح اور روشن ہو گئے ہیں کہ

۱۔ قرآن میں ایسے احکام جن کی جزئیات بھی متعین کر دی گئی ہیں۔ بہت تھوڑے ہیں بخلاف اس کے وہ احکام بہت زیادہ ہیں۔ جن کی صرف حدود متعین کی گئی ہیں۔ جزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ ایسی جزئیات کو خود معلم القرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا اتباع کرتے ہوئے۔ اپنے قول و فعل سے متعین کیا۔ اور وہی قول و فعل حدیث کہلایا۔ اسلئے سرمایۂ حدیث دین کا جزوِ اعظم اور شریعتِ مصطفوی کی بنیاد ہوا۔ جو جزو دین ہے۔ تاریخ دین نہیں۔ یقینی ہے۔ ظنی نہیں۔

۲۔ تدوینِ حدیث کا کام بعینہٖ تدوین قرآن کی طرح مکمل ہوا۔ جس طرح قرآن کو ایک مختصر سی جماعت لکھتی رہی اور ہزاروں حفاظ سینوں میں محفوظ کرتے رہے۔ اسی طرح سرمایۂ حدیث کا قلیل حصہ ضبطِ تحریر میں آتا رہا اور

کثیر حصہ حفظوں میں حرفاً حرفاً محفوظ کیا جاتا رہا۔ کیونکہ اس زمانہ میں لکھنا لکھانا عیب اور حافظہ و یادداشت سے کام لینا ثواب سمجھا جاتا تھا۔

۳۔ بعد میں جوں جوں حالات بدلتے گئے اور نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں۔ تو جس طرح قرآن کو ایک مصحف میں مدوّن و مرتب کیا گیا۔ اسی طرح تمام سرمایہ حدیث کو جو خود حضور کے وقت سے اور ان کی اجازت سے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا تھا۔ یکجا کر کے آخری شکل میں مدوّن و مرتب کر دیا گیا جو آج تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اسلئے تدوین حدیث کا کام حضور کے دو اڑھائی سو سال بعد شروع نہیں ہوا۔ بلکہ یہ خود حضور کے وقت سے شروع ہوا اور دو اڑھائی سو سال بعد جا کر آخری موجودہ شکل میں مکمل ہوا۔

۴۔ انا لہ لحافظون میں وہ سرمایہ حدیث بھی شامل ہے۔ جو خود حضور کے اس قول و فعل پر مشتمل ہے۔ جو اتباع قرآن میں حضور سے صادر ہوا۔ چونکہ حق تعالے نے ہدایت (قرآن) اور ہادی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں کی حفاظت فرمائی۔ اسلئے اُس ہدایت کی جو علمی اور عملی تشریح و تفسیر حضور نے فرمائی۔ وہ بدستور پورے چودہ سو سال سے علماً و عملاً محفوظ چلی آتی ہے۔ اگر حق تعالے "ہدایت" کے ساتھ "ہادی" کی حیات عملی کو بھی محفوظ نہ فرماتے۔ تو قرآن حرفاً محفوظ رہتا۔ معناً و مفہوماً محفوظ نہ رہتا۔ بلکہ دین مصطفوی کا بھی وہی حال ہوتا۔ جو شریعت موسوی و عیسوی کا ہوا۔ اور نہ آج پرویز اینڈ کو کو "دین لینن" کی نشر و اشاعت کے لئے قرآن کی معنوی

تحریف۔ اطاعتِ رسولؐ سے انحراف احادیث نبوی سے انکار اور تقلیدِ سلف سے گریز کرنا پڑتا۔ ان کی سعیِ ابطال حدیث ہی حدیث کے سرمایۂ دین ہونے کی دلیل ہے۔ اگر سرمایۂ حدیث جزو دین نہ ہوتا۔ تو پرویزی اینڈ کو اسکے جھٹلانے پر دماغ کیوں خرچ کرتے اور قلم کیوں گھساتے رہتے؟

۵۔ پرویز اینڈ کو کا وجود ہی حدیث کے صحیح اور یقینی ہونے کا مجسم ثبوت ہے۔ جن کے متعلق آج سے پونے چودہ سو برس قبل جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک حدیث شریف میں جس کا ذکر شروع میں آچکا ہے) ان لوگوں کے متعلق نہ صرف پیش گوئی فرما گئے ہیں بلکہ ان کی علامات بھی بتا گئے ہیں کہ "فتنہ پیدا کرنے کے لئے ایسے ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میری راہِ ہدایت سے منحرف ہو کر اپنا علیحدہ طریقہ اختیار کریں گے۔ جو شخص ان کی بات پر کان دھرے گا۔ اور عمل پیرا ہو گا۔ اسے جہنم واصل کر کے چھوڑیں گے وہ ہماری ہی قوم (مسلمان) ہیں سے ہوں گے۔ ان کا ظاہر تو علم و تقویٰ سے آراستہ ہو گا۔ مگر باطن ایمان اور ہدایت سے خالی ہو گا۔ وہ ہماری ہی زبانوں (قرآن و حدیث) کے ساتھ کلام کریں گے"

سرمایۂ حدیث کو عجمی سازش ظنی اور غیر یقینی قرار دینے والوں کو ذرا خود ہی اس آئینہ میں اپنے خط و خال دیکھ کر اپنا مقام معلوم کرنا چاہیے

تقلید سلف سے گریز

قرآن کی معنوی تحریف - اطاعتِ رسول سے انحراف اور احادیث نبوی سے انکار کے بعد اس سلسلہ کی آخری کڑی آئمہ سلف کی تقلید ہی باقی رہ جاتی تھی - جس سے گریز کئے بغیر بھی پرویز اینڈ کو کی اسلام دشمنی کا پروگرام مکمل نہیں ہو سکتا تھا - اسلئے انہوں نے اتباعِ کتاب و سنت کے اس آخری دروازہ کو ہمیشہ کے لئے بند کرنے کے لئے مسلمانوں کو یوں فریب دیا -

(الف) ۱- اسلام کا نصب العین یہ تھا - کہ وہ انسان اور خدا کے درمیان براہِ راست تعلق پیدا کر دے - ایسا تعلق کہ عبد و معبود کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ اور ان کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ ہو - اور اس طرح انسان کہ جسے فطرت نے آزاد پیدا کیا تھا - ساری دنیا کی غلامی سے نجات پا کر صحیح معنوں میں آزادی حاصل کر لے - (مقامِ حدیث جلد ا صفحہ ۹)

۲- ہر زمانے کے مسلمان قرآن کریم کی روشنی کے ماتحت عقل صحیح سے کام لے کر صراطِ مستقیم پر چلتے جائیں - خود منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے - ان کو راستے میں اندھوں کی طرح لاٹھی کی ضرورت

ہی نہیں کہ روشنی بھی موجود ہے اور بینائی بھی (ایضاً ص۲۲)

۳۔ تقلید اختیار ہی وہ قوم کرتی ہے جس میں مجاہدانہ روح باقی نہ رہے۔ (ایضاً ص۲۹)

مذکورالصدر اقتباسات ان مقالوں کے نتائج ہیں۔ جو مسٹر پرویز نے "رسول پرستی"، "ائمہ پرستی" اور "شخصیت پرستی" کے عنوانات کے زیر بحث لکھے ہیں۔ آپ ذرا خط کشیدہ الفاظ کو ایک بار پھر سامنے لائیں اور ان الفاظ کی صحت کا جائزہ لیں۔

۱۔ ارشاد ہوتا ہے کہ عبد و معبود کے درمیان براہ راست تعلق پیدا ہو اور درمیان میں کوئی دوسرا واسطہ یا کوئی دوسری قوت حائل نہ ہو۔ مگر جب ہم عبد و معبود کے تعلقات کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں۔ تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ عبد و معبود کے درمیان براہِ راست تعلق شروع سے قائم ہی نہیں ہوا۔ بلکہ خود معبود نے اپنے عبدِ کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے جبرائیل علیہ السلام کو واسطہ بنایا۔ جو معبود کا کلام پیغام سلام اس کے عبدِ خاص تک پہنچاتا رہا۔ اور جس سے اسلام کی بنیاد پڑی۔ اگر عبد و معبود کا رشتہ بلا تعلق قائم ہونا ضروری ہوتا تو وہ حکیم مطلق جبرائیل علیہ السلام کو واسطہ نہ بناتے۔ بلکہ قرآن کریم من و سلویٰ کی طرح مرتب و مدوّن شدہ شکل میں اپنے بندوں پر اتار دیتے اور پھر اپنے کلامِ پاک کی تعبیر و تفسیر کے لئے معلم القرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ نہ بناتے۔ اور یہ ارشاد نہ فرماتے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ	اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جاتا ہے۔ اس کو آپ دوسروں تک پہنچا دیجئے۔

اور نہ یہ احسان جتاتے کہ

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ۔	اہل ایمان پر اللہ نے احسان کیا کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا۔ جو اس کی آیتیں انہیں پڑھ کر سناتا ہے انکا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔
(آل عمران ۱۷/۴)	

بلکہ وہ صاحبِ کن فیکون اپنے کلام پاک کو ہر انسان کے قلب پر نقش کر دیتا اور اس طرح عبد و معبود کے درمیان سب سے پہلا واسطہ جبرائیل علیہ السلام اور دوسرا واسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے قائم ہی نہ ہوتا۔ جب خود سلام بھیجنے اور پہنچانے والے کے ہاں بلا واسطہ کام نہیں ہوا تو آگے بلاواسطہ کام کا ہونا کیسے ممکن ہے۔ چنانچہ اس واسطہ کو خود مسٹر پرویز تسلیم کرتے ہیں کہ:-

"اللہ تعالےٰ جن قوانین کی اطاعت چاہتا ہے۔ اس نے وہ قوانین بوساطت جناب نبی اکرم انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں ان ہی قوانین (کو) ... نظام قرآن ہے (اسلامی نظام ص۱۵)

گویا مسٹر پرویز نے قول کی تردید خود ان کے اپنے ارشاد سے ہو گئی۔

۲۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو راستے میں اندھوں کی طرح لاٹھی کی ضرورت ہی نہیں کہ روشنی (قرآن) بھی موجود ہے اور بینائی بھی۔ بالکل جو کچھ فرمایا بجا فرمایا۔ آمنا و صدقنا جب مسٹر پرویز خود یہ فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم (روشنی) کو واضح مفصل اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا کہ اس کے سمجھنے کے لئے "برہمنوں" کی کوئی خاص جماعت ہی مختص نہ ہو جائے۔

(مقام حدیث جلد ۱ صـ۲۲)

تو مسٹر پرویز کو صاف۔ "واضح" "مفصل"۔ "روشنی" کی موجودگی میں خود "اندھوں کی لاٹھی" اور "برہمن" بننے یعنی "معارف القرآن" لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ جیسا کہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ

میں نے صرف یہ کیا کہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن سے اور اس کی عملی مثال اسوۂ رسول اللہ سے جو خود قرآن کے اندر موجود ہے ان کے سامنے رکھ دی۔ (مقام حدیث جلد ۱ صـ۸۵)

عجب بالائے عجب تو اس پر ہے کہ ایک طرف مسٹر پرویز عبد و معبود کے درمیان سے دوسری قوت یعنی معلم القرآن کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس قرآن کی خود قرآن سے تفسیر کر کے عبد و معبود کے درمیان واسطہ بننا چاہتے ہیں جو ان کے نزدیک "واضح مفصل اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا" گیا ہے

ع برین عقل و دانش بباید گریست

۲۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تقلید اختیار ہی وہ قوم کرتی ہے جس میں مجاہدانہ روح باقی نہ رہے"۔ مگر بخلاف اس کے حق تعالیٰ نے فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم پر چل ہی وہ سکتا ہے۔ جو تقلید کرے جیسا کہ ان احکام ربانی سے واضح ہے

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (سورہ لقمان پ ۲۱) — اس شخص کے طریقہ کی پیروی کرو جس نے میری طرف توجہ کی۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ انبیاء پ ۱۷) — اگر تم کو معلوم نہیں۔ تو یاد رکھنے والوں سے دریافت کر لیا کرو۔

رسول اللہ نے اس حکم کی پیروی کی۔ جو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبرائیل نازل فرمایا اور صحابہ کرام، تابعین۔ تبع تابعین اور آئمہ سلف نے رسول اللہ کی پیروی و تقلید کی۔ اور امت مسلمہ نے ان سب کی تقلید کی۔ تو یہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ سب عین حکمت و مصلحت اور منشاء خداوندی سے ہو رہا ہے۔ اور اگر مسٹر پرویز کے اس فیصلہ کو بغرض بحث تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تقلید کرنے والی قوم میں مجاہدانہ روح باقی نہیں رہتی۔ تو اس کی تردید اس تاریخ سے ہوتی ہے۔ جو مسٹر پرویز کے نزدیک زیادہ معتبر ہے۔ کیونکہ تاریخ بیانگ دہل پکار رہی ہے کہ دنیا میں اسلام صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلدین اور متبعین کی مجاہدانہ کارروائیوں سے پھیلا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور ان متبعین کے مقلدین میں مجاہدانہ روح نہ تھی۔ تو اسلام کیسے پھیلا

جبکہ مسٹر پرویز کے بھائی بندوں کی صفوں کی صفیں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں قدم قدم پہ پہاڑ بن کر سامنے آتی تھیں اور مجاہدین اسلام کی تلواریں انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتی تھیں۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے۔

(ب) مسٹر پرویز مسلمانوں کو شخصیت پرستی کا مجرم ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

خواص۔ جو مذہب کے واحد اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ کسی معاملہ کے متعلق دینی فیصلہ پوچھئے۔ یہی کہیں گے۔ کہ فلاں امام نے اس کے متعلق یہ فرمایا۔ فلاں علامہ کی یہ رائے ہے قنیہ میں ایسا لکھا ہے۔ شارح وقایہ کا یہ خیال ہے۔ غرضیکہ ان کی سند کسی نہ کسی انسان تک جا کر رہ جائیگی۔ اس سے آگے نہیں بڑھیگی۔ (مقام حدیث جلد ا ص ۲۳)

اس سلسلہ میں ہمیں خود مسٹر پرویز اینڈ کو کا عمل دیکھنا چاہیئے کہ کس پر ہے۔ مسٹر پرویز بھی تو ماشاءاللہ اشتراکیت کے شعبہ اسلامیات کے تابع رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب دہلی سے اپنے جماعتی آرگن رسالہ "طلوع اسلام" کا دور جدید شروع کیا۔ تو یہ اس کے سرورق پر بطور اظہار عقیدت واعتراف شخصیت علامہ اقبال کی تصویر مدتوں چھاپتے رہے جیسا کہ اسکی سنہ ۳۹-۱۹ء وغیرہ رسالوں کی فائلوں سے عیاں ہے اور اس تصویر کے نیچے فخریہ یہ الفاظ لکھتے رہے :

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

پھر ہر رسالہ میں علامہ اقبال کی کوئی نہ کوئی نظم۔ رباعی یا قطعہ بھی خصوصی اہتمام سے چھپتا رہا۔ یہاں تک اس کے صفحہ ۳ کو جو بطور اعلان پالیسی ہر رسالہ میں مستقل طور پر چھپتا رہا۔ اقبال کے اس شعر سے زینت دی جاتی رہی۔

چیست ملت اے کہ گوئی لاالٰہ　　　با ہزاران چشم بودن یک نگاہ

بگذر از بے مرکزی پایندہ شو

آخر یہ شخصیت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی شعر کے اوپر اُس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک فرمان بھی درج ہے۔ جسے مسٹر پرویز بطور "ایک دوسری قوت" عبد و معبود کے درمیان سے ہٹا کر مسلمانوں کو ان سے "آزادی" دلانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول درج ہے۔ اور اگر آپ مسٹر پرویز اینڈ کو کی تحریروں کا جائزہ لیں۔ تو آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے جس شخصیت کے اقوال کو زیادہ تر بطور سند استعمال کیا ہے۔ وہ حضرت اقبال ہیں اور ان کے علاوہ انہوں نے بھی انہی آئمہ سلف کے دامن کی پناہ لی۔ جن کو بطور سند پیش کرنے کا علماء کرام کو مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مثلاً "اسلاف پرستی" کے مقالہ میں جو مقام حدیث جلد ا کے صفحات ۳۱-۳۲ پر درج ہے۔ مسٹر پرویز نے امام ابو یوسفؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ کے اقوال کو بطور سند پیش کیا ہے اور ان کے "استاد" حافظ محمد اسلم جیراجپوری نے اس کتاب کے مقالہ "روایت حدیث" (صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۵) میں ۱۵ صحابہ کرام کے علاوہ

امام بخاری (۲) امام ابن ماجہ (۳) امام داؤد ظاہری (۴) امام شعبی (۵) امام احمد بن حنبل (۶) امام یحییٰ بن کثیر (۷) امام ابن قتیبہ (۸) امام سفیان ثوری (۹) امام سفیان بن عیینہ (۱۰) حافظ ابن عبدالبر (۱۱) ضحاک ابن مزاحم (۱۲) سلیمان بن حیان ازدی یعنی ابوخالد الاحمر (۱۳) فضیل بن عیاض (۱۴) ابن مخلد اور اس دور کے شاعر بکر بن حماد کے اقوال بطور سند پیش کیے ہیں۔ خود تو جب مشکل پڑے۔ ان آئمہ سلف کی پناہ لیں۔ جو ان کے نزدیک حجت نہیں۔ اور جن کے نزدیک وہ بوجہ علم و تقویٰ حجت ہیں۔ ان کو ان کے اقوال کو بطور استعمال کرنے پر گردن زدنی قرار دینا کہاں کی ایمانداری ہے

(ج) اب انہی آئمہ کی تفقہ فی الدین کی کہانی مسٹر پرویز کی زبانی سنئے:۔

بنی عباس کے عہد حکومت میں سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ اور ان کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں نے نئے نئے مسائل پیش کر دیئے۔ جن کا حل روایات عہد رسالتمآب اور خلافت راشدہ بدنہیں مل سکتا تھا۔ اور فقہا کے لئے یہ بھی مشکل تھا کہ ہر نئے معاملہ میں خاموشی اختیار کر لیں ....

ان لوگوں (ارباب حکومت) کے ساتھ اہل فقہ کا ایک اور گروہ بھی تھا۔ جس نے ایسے مقامات پر خاموش رہنے یا جعلی حدیثوں کی طرف رجوع کرنے کے بجائے اس مشکل کا ایک اور حل سوچا۔ ان کے سامنے جب کوئی نیا سوال آتا تو وہ قرآن یا روایات کو سامنے رکھ کر قیاساً استنباط کرتے۔ اور اس طرح

اپنی فکر اور رائے سے مسئلہ پیش نظر کا حل متعین کر لیتے ....
جو اہل الرائے یا اہل فقہ کہلاتے۔ (اس گروہ میں امام ابوحنیفہ
کے شاگرد امام ابویوسف بغداد کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے
تو ان کی قابلیت و تفقہ سے ان کی فقہ دولت عباسی کا رسمی
قانون بن گئی۔ زمانے کے ساتھ ساتھ اس فقہ میں اور وسعت
پیدا ہوتی گئی۔ یہی وہ فقہ ہے۔ جو فقہ حنفی کے نام سے متعارف
ہے۔ (اسلامی نظام صفحہ ۲۴-۲۵)

خط کشیدہ الفاظ پر دوبارہ نظر دوڑانے کے بعد مسٹر پرویز کے اس فیصلہ کو سامنے رکھیں کہ

جو جزئیات قرآن نے متعین نہیں کی تھیں۔ انہیں آئمہ فقہ
نے متعین کر دیا۔ (اسلامی نظام صـ۳۱)

اور پھر اس نتیجہ کو بغور پڑھیں جو مسٹر پرویز نے علم فقہ پر بحث کرنے کے بعد نکالا ہے کہ:-

فقہ میں جو کچھ اِدھر اُدھر سے شامل ہو گیا ہے۔ اس سے بھی
قطع نظر کر لی جائے۔ تو بھی ان سے صرف یہ دیکھا جا سکتا ہے
کہ قرآن کریم کے فلاں فلاں اصول کے متعلق فلاں فلاں زمانے
میں کسی قسم کی جزئیات متعین ہوئی تھیں۔

(اسلامی نظام صـ۳۲)

اس کے بعد از روئے انصاف فرمائیں کہ اگر ہمارے علماء کرام کسی ایسے مسئلہ

کے متعلق جس کی جزئیات قرآن میں متعین نہ ہوں اپنے ائمہ سلف کے تفکر و تدبر سے متعین کردہ جزئیات بیان کریں اور "ایسا" کہیں کہ "فلاں علامہ کی یہ رائے ہے یہ نسقی میں ایسا لکھا ہے۔ شارح وقایہ کا یہ خیال ہے" تو انکا کیا جرم ہوا جس کی بنا پر انہیں مردود و مقہور بنایا جا رہا ہے۔

(د) مسٹر پرویز کا ارشاد ہے کہ:-

"قرآن کہتا ہے کہ یہ کائنات طبیعیات کے قانون (physical laws) کے مطابق چل رہی ہے۔ اسلئے طبیعی زندگی کے سامانِ زیست کے حصول کے لئے طبیعیات کے قانون کی اتباع کرنی ہوگی۔" (اسلامی نظام ص۲۴)

اگر طبیعی زندگی کے سامانِ زیست کے حصول کے لئے طبیعیات کے قانون کی اتباع کرنی لازمی ہے۔ تو قرآن کی ان غیر متعین جزئیات کی اس تعیین کو جو معلم القرآن نے فرمائی اور شریعتِ مصطفوی کہلائی اور جسے بعدازاں علماء حدیث و فقہ نے مرتب و مدون کیا۔ کی پیروی و اتباع اور ان محدثین و فقہا کی تقلید کیوں ضروری نہیں؟ دیکھا آپ نے رگِ اشتراکیت کہاں جا کر پھڑکی۔ جونہی روٹی کا سوال آیا تقلید جائز ہو گئی۔

(ر) آپ قبل ازیں پڑھ چکے ہیں کہ:-

"خدا اور رسول" سے مراد وہ مرکزِ ملت ہے۔ جو دنیا میں خدائی قوانین نافذ کرے۔" (مقامِ حدیث جلد ۱ ص۶۷)

ہندو پاکستان میں اس "مرکزِ ملت" کا سراغ لگانے کے لئے اشتراکیت

کے شعبۂ اسلامیات کے سرکاری آرگن رسالہ "طلوع اسلام" کے صفحہ نمبر کی پیشانی کی یہ عبارت پڑھئے۔

"اسلامی حیاتِ اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ"

پھر اس کے سرورق پر طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد" ملاحظہ کیجیے کہ:-

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ابتداءً پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے۔

(طلوع اسلام مارچ ۱۹۵۶ء)

جس کا "خدا اور رسول" مرکزِ ملت ہو۔ جس میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خیرات۔ قربانی وغیرہ ایسی مذموم رسوم کی سخت ممانعت ہو۔ ورنہ مسلمان کی ترقی کے تمام راستے مسدود ہو جائیں گے۔ (جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اور اس کے بعد لینن کے اس اعلان کو بغور پڑھیے کہ

جب تک خدا کا تخیل ذہن انسانی سے فنا نہ کر دیا جائے یہ لعنت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی (ہیم امینڈ سکل از مارک پیٹرک)

اور پھر فیصلہ فرمائیے کہ اشتراکیت کا یہ پاکٹ ایڈیشن الہٰی نماز دور عصر کی نقلیں نہیں کر رہا۔ جو دنیا سے خدا اور مذہبِ اسلام کا نام مٹانا چاہتے ہیں

(س) مسٹر پرویز عبد و معبود کے درمیان دوسرے واسطہ یا دوسری قوت یعنی معلم القرآن والاخلاق کو اسلئے ہٹانا چاہتے ہیں کہ

"انسان جسے فطرت نے آزاد پیدا کیا تھا ساری دنیا کی غلامی سے نجات پا کر صحیح معنوں میں آزادی حاصل کر لے" (مقام حدیث جلد ص ۹)

اور یہی آزادی اشتراکیت کی روح ہے چنانچہ لینن نے بھی اپنی ایک تقریر میں نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے معلم القرآن والاخلاق کی تعلیمات سے دور رہنے کی یوں تلقین کی کہ

ہم ان تمام اخلاقی حدود و شرائع کی مذمت کرتے ہیں۔ جو کسی مافوق الفطرت عقیدہ کا نتیجہ ہوں۔ (لینن اینڈ گاندھی)

جبکہ خود لینن نے اپنے ایک دوست کے نام ایک خط میں یوں وضاحت کی کہ "اخلاق اور اعزاز کے آئین کا ہمارے نزدیک کوئی وجود نہیں"

(پان اسلامزم اینڈ نیشنلزم)

اب آپ بتائیں کہ مخلوقِ خدا کو خداوند تعالیٰ کی کتاب اور اسکی تعلیمات خلق سے بیگانہ کر کے اور عبد و معبود کے درمیان دوسرے واسطہ اور دوسری قوت کو شامل کر کے شترِ بے مہار بنانے میں پرویز اور لینن ایک ہی کشتی میں سوار ہیں یا نہیں؟

جہانتک نفسِ تقلید کا تعلق ہے۔ اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ خواہ غیر مقلد ہی کیوں نہ ہو۔ آخر اسے بھی تقلید سے انکار کرنے کے باوجود کہیں اپنے باپ دادا کی تقلید کرنی پڑیگی اور کہیں صاحب حدیث کی تقلید کرے گا۔ البتہ تقلید نافع وہی ہوتی ہے جو رسول اللہ اور اسکے تبعین کی تقلید کرنے والوں کی ہو جنہیں قرآن نے جماعت حزب اللہ سے نامزد کیا ہے اور جن کی تقلید سے آپ کو پرویز اینڈ کو روکنا چاہتے ہیں بخلاف اسکے ان کی تقلید کرنا جو فراعنہ ونمارودہ عصر ہیں اور جنہیں قرآن نے حزب الشیطان قرار دیا ہے اور جنکی تقلید پرویز اینڈ کو آپ سے کرانا چاہتے ہیں...... سراسر دین و دنیا کے خسارہ کا سامان ہے جس سے ہر مسلمان کا بچنا فرض عین ہے۔

لینن و پرویز کی یگانگت

پچھلے صفحات میں مختلف مقامات پر ضمناً لینن و پرویز کی یگانگت کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک مستقل اور الگ مضمون ہے جس پر زیادہ ریسرچ اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ تاکہ "طلوع اسلام" کا ڈرامہ کرنے والے "اداکاروں" کا اسلامی اور قرآنی لبادہ اتار کر دنیا کو ان کا اصلی رنگ روپ دکھایا جائے کہ یہ مارکسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں یا محمدی یونیورسٹی کے گریجویٹ۔ امید ہے کہ اہل قلم میں سے کوئی صاحب اس سلسلہ میں مزید تحقیق کر کے عوام کی رہنمائی فرماویں گے۔

البتہ "حقیقت حدیث" کی تیاری کے دوران میں راقم کو ان کے جو "اسلامی اور قرآنی نظریات" مارکس اور لینن کی تعلیمات کے عین مطابق نظر آئے۔ ان کو یہاں پیش کر دینا اسلئے ضروری سمجھا۔ تاکہ قارئین کرام پر یہ واضح ہو جائے کہ سرمایہ حدیث کو جھٹلانے والے کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ میں ان ہر دو مفکروں کے نظریات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کروں۔ "دین لینن و پرویز" کا پس منظر واضح کر دینا ضروری

سمجھتا ہوں۔ مارکسیت۔ اشتراکیت اور پیوزیٹیت کی نشوونما زیادہ تر ان ادوار میں ہوئی جن میں مغربی تعلیم نے انسان کو مذہب سے بالکل متنفر کر کے اسے مغربی سائنسدانوں اور مفکروں کے تخیلات و اوہام پر کامل ایمان لانے پر مجبور کر دیا۔ اہل مغرب بزعم خود تو لوگوں کو مذہب سے متنفر کر کے بڑے شاداں و فرحاں نظر آنے لگے۔ مگر دین دشمنی کا جو بیج ان لوگوں نے بویا تھا۔ اس کا ثمر تلخ بھی انہیں کھانا پڑا۔ جس سے ان کا اپنا لطف زندگی جاتا رہا۔ کیونکہ مارکس اور لینن نے موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے انسان کے اس جذبہ نفرت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کے سامنے ایک ایسا متبادل دستورِ حیات رکھا۔ جس میں اسے اخلاقی مقاصد اور روحانی اصولوں کی پابندی کی بجائے سیاسی آزادی اور معاشی فارغ البالی کا یقین دلایا گیا تھا۔ انہوں نے اسے اس خوبی سے شیشہ میں اتارا کہ وہ نہ صرف خود مذہبی تنفر پھیلانے والوں سے نفرت کرنے لگا۔ بلکہ اس نے اپنے دوسرے بھائی بندوں کو بھی ان سے تنفر کرنا اور ان کا جانی دشمن بنانا شروع کر دیا۔

اس نظریاتی کشمکش یا سرد جنگ کو جیتنے کے لئے اہل مغرب نے پھر لوگوں کو مذہب و اخلاق کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا شروع کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان اسلامی ممالک کی مالی امداد کرنی بھی شروع کر دی جہاں کسی نہ کسی حد تک مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کے اثرات تو موجود تھے۔ مگر ان کی مالی اور اقتصادی حالت خراب ہونے کی وجہ سے ڈر تھا کہ

کہیں وہ بھی "روٹی کے سوال" پر دین و مذہب کو چھوڑ کر اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ اشتراکیوں نے اس کے جواب میں وہی استعماری چال چلی جس کی رو سے ہمارے سابق حکمران اسلامی ممالک میں خفیہ ریشہ دوانیوں کے لیئے لندن میں تیار کردہ "مذہبی رہنما" بھیجا کرتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی اسلامی ممالک میں لادینیت اور لامذہبیت پھیلانے اور جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لیئے تاشقند[1] میں تیار کردہ "دینداز" بھیجنے شروع کر دیئے۔ جنہوں نے مختلف ممالک میں مختلف طریقوں سے اپنے ہم خیال پیدا کرنے کا کام کرنا شروع کر دیا۔

اور ادارہ طلوع اسلام بھی ایسے ہی "دیندار طبقہ" کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جس کے داعیوں نے قرآن و اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو لامذہب بنانے کی تحریک "قرآنی اسلام" یا "قرآنی نظام ربوبیت کے قیام" کے نام سے چلائی۔

قیام پاکستان سے قبل اس تحریک کے قائدین صرف ایسے لوگوں کو بے دین بنانے میں مصروف تھے۔ جو دین کی ابجد سے ناواقف تھے۔ مگر قیام پاکستان کے بعد جب آئین سازی کا کام شروع ہوا تو انہوں نے زیادہ پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ اور اسلامی آئین

---

[1] اسی شہر میں الجرعرب نامی ایک کالج ہے جس میں صرف اسلامی ممالک کیلئے دیندار جاسوس تیار کیئے جاتے ہیں۔

کی تیاری کے لیے انہوں نے ایک طرف "دین پرویز" پیش کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف لوگوں کو مذہبی رہنماؤں سے دور رکھنے کے لیے "ملازم" کا ہوا دکھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے آئین سازی کے سلسلہ میں کیا کچھ رخنہ اندازی کی۔ یہ کسی دوسری فرصت کی محتاج ہے یہاں صرف اتنا بتلا دینا کافی ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے آئین سازوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ مگر علماء حق کی فعال جماعت نے ان کی دال نہ گلنے دی۔ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی وغیرہ کی انتھک کوششوں سے "قرار داد مقاصد" طوعاً یا کرہاً پاس ہو گئی۔ جس کا ملک کے طول وعرض میں پُر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے پاس ہونے سے ان کا دماغی توازن ٹھیک نہ رہا۔ ان کی مدتوں کی کوششیں رائیگاں ہو گئیں اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ چونکہ آئین پاکستان کی بنیاد قرارداد مقاصد پر رکھی گئی ہے لہٰذا یہ اسلامی مملکت نہیں رہی۔ جیسا کہ اواخر ۱۹۵۳ء میں شائع شدہ "قرآنی فیصلے" کے صفحہ نمبر ۲۷ پر درج ہے کہ

ہماری حکومت ہنوز اسلامی حکومت نہیں ہے

کیونکہ

جماعتِ اسلامی . . . کی غوغا آرائی سے ہمارے ارکانِ حکومت بھی متاثر ہو گئے اور انہوں نے قرارداد مقاصد میں انہی کی تقلید میں یہ لکھ دیا کہ حکومت خدا کے تفویض کردہ اختیارات

Delegated powers کو استعمال کرے گی۔
(قرآنی فیصلے ص ۲۸۴)

قرارداد مقاصد پاس ہو جانے کے بعد انہوں نے "آئین سازوں" سے ساز باز کر کے پہلی دستوری رپورٹ میں "دین پرویز" کے مطابق "شریعت سازی" کا حق مجلس آئین ساز کو دلانے کی کوشش کی۔ مگر وہ رپورٹ بھی ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی۔ اب جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی انتہائی کوششوں کے باوجود ملکی آئین کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھ دی گئی ہے۔ تو انہوں نے اسے ناکام بنانے کی خاطر "دین لینن و پرویز" کی نشر و اشاعت کا کام پہلے سے زیادہ تیز کر دیا۔ اگرچہ تا مدیر "طلوع اسلام" اپنی لامذہبیت و اشتراکیت کو چھپانے کے لئے اشتراکیت کو زیر بحث لا کر اسے اسلام کے مقابلہ میں ناقص بتاتے رہے۔ مگر اس ضمن میں انہوں نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے عیاری یہ کی کہ جب بھی انہوں نے اشتراکیت و اسلام کا موازنہ و مقابلہ کیا۔ تو اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ دین اسلام زیر بحث لاتے رہے۔ انہوں نے اپنے تمام لٹریچر میں کہیں بھی "دین پرویز" سے اشتراکیت کا مقابلہ و موازنہ نہیں کیا۔ اسی طرح وہ زیب داستان کے لئے بار بار قرآن اور اسلام کی آیات و روایات بھی پیش کرتے رہے۔ مگر نتیجہ ہمیشہ وہی نکالا جس سے "دین پرویز" کی تائید ہوتی ہو جس کا خاکہ آپ (۱)

"قرآن کی معنوی تحریف" (۲) "اطاعت رسول سے انحراف" (۳) "احادیث نبوی کا انکار" (۴) "تقلید سلف سے گریز" کے زیر عنوان دیکھ آتے ہیں دین پرویز کا یہ پس منظر پیش رکھتے ہوئے اب لینن و پرویز کی یگانگت کی کہانی ان کی اپنی زبانی سنیئے جس سے آپ بآسانی اندازہ لگا سکیں گے کہ دین پرویز کا قبلۂ اول کعبہ ہے یا کرملین۔

لینن نے تیسری کل روس کانگریس منعقدہ ۳ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں خطبہ دیتے ہوئے اعلان کیا کہ

ہم خدا پر ایمان نہیں رکھتے"۔ (اشتراکیت اور اسلام ص۵۲)

"لینن اور گاندھی" کے مصنف رین فلپ ملر نے لینن کے خطبات پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

"لینن نے بار بار اپنی تقریر و تحریر میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اشتراکیین کے عوام و خواص کا نصب العین حیات ہی یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر ممکن کوشش صرف کر دیں۔ کہ خدا سے اس کا غلبہ و تسلط۔ سطوت و حکومت چھین جائے کیونکہ اشتراکی نظام کا بدترین دشمن خدا کا وجود ہے"۔

چنانچہ مسٹر پرویز نے مقام حدیث جلد ا صفحہ ۶۳ تا ۶۷ پر "رسول کی اطاعت" کو زیر بحث لانے کے بعد خدا سے غلبہ و تسلط۔ سطوت و حکومت کا حق یوں چھین دیا کہ:-

"خدا اور رسول سے مراد وہ مرکز ملت ہے۔ جو دنیا میں خدائی

قوانین نافذ کرے"...... یہ مرکز قرآن کو اپنے سامنے رکھیگا۔ پھر اُن امور کے لئے جن کی جزئیات قرآن نے بیان نہیں کیں۔ اپنے پیش رو مراکز ملت کے فیصلوں کا مطالعہ کرے گا۔ اور اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان پر غور و خوض کرنے کے بعد اگر وہ انہیں علیٰ حالہ رکھنا چاہے گا۔ تو اس طرح رہنے دے گا اور اگر کہیں رد و بدل کی ضرورت سمجھے گا۔ تو ایسا بھی کر دے گا۔ ملت کے لیے خدا اور رسول کی اطاعت مرکز کے ان فیصلوں کی اطاعت کا نام ہوگا"

اور ان کے لئے قرآنی مفہوم وہی مستند ہوگا۔ جو مسٹر پرویز نے قرآن کی معنوی تحریف کے بعد قائم کیا ہے جس کی رو سے نماز، روزہ۔ حج۔ زکواۃ۔ خیرات صدقات سے امتِ مسلمہ کو نجات دلائی گئی ہے

۲۔ لینن نے خدا سے سطوت و حکومت چھیننے کے بعد مذہب کا خاتمہ ضروری سمجھا۔ اور حکم دیا کہ

"نفسِ مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لیے ضروری ہے۔ تا آنکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے۔ (لینن منقول دسمبر ۱۹۲۶ء)

مسٹر پرویز نے بھی نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکواۃ۔ خیرات۔ قربانی ایسے شعائرِ اسلام کو مذہبی رسوم قرار دینے کے بعد مسلمانوں کی ترقی کا راز یہی

بتایا کہ وہ ان مذہبی رسوم کو چھوڑ دیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

اگر مسلمان مزید ذلت و خواری سے بچنا چاہتا ہے تو اسے
بہر حال مذہب کو چھوڑنا ہوگا (طلوع اسلام فروری ۵۲ء صہ ۴۹)

۴۔ لینن نے مذکور الصدر کانفرنس کے خطبہ میں آسمانی صحائف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی اعلان کیا کہ

"ہم ان تمام اخلاقی ضابطوں کے منکر ہیں۔ جو ما فوق البشر تصورات سے ماخوذ ہوں یعنی ہم ان تمام اخلاقی ضابطوں کے منکر ہیں۔ جن کی تبلیغ بورژوا طبقے کی طرف سے کی جاتی ہے اور جو خداوند کے احکام سے مستنبط ہوتے ہیں۔

(اسلام اور اشتراکیت صہ ۵۲)

جس کی وضاحت میں انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ

"اخلاق اور اعزاز کے آئین کا ہمارے نزدیک کوئی وجود نہیں۔ (پان اسلامزم اینڈ سوشلزم)

چنانچہ مسٹر پرویز نے اپنے آقا کی تائید کرتے ہوئے قرآن کریم کی تعلیمات اخلاق و اعزاز کو یوں ناقص بتلایا ہے

ہزار برس سے یہ قوم بظاہر قرآن کو سینے سے لگائے پھر رہی ہے لیکن اس قرآن سے انہیں سوائے ضلالت و خسران کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

(اسباب زوال امت صہ ۱۰۸)

بابِ "عزت و دولت" کو زیرِ بحث لاتے ہوئے جمہور مسلمین کے مندرجہ ذیل عقیدہ کو "مذہب پرستوں" کے عقائد سے تعبیر کیا:۔

عزت سب خدا کے لئے ہے اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ صاحبِ عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور پرہیزگار (متقی) وہ ہے۔ جو دنیا کی آلودگیوں اور خباثتوں سے مجتنب رہے۔ دنیا کا مال و دولت فتنہ ہے جس قدر انسان اس فتنے سے دور رہے۔ وہ اسی قدر خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

(اسباب زوال امت صـ۲۱)

اور جمہور مسلمین کے ان عقائد کی یوں تردید کی کہ:۔

قرآن نے مومنین کی صفات عالیہ کے لئے اخلاق کا لفظ کہیں استعمال ہی نہیں کیا۔ یہ اصطلاح بعد میں علم الاخلاق کے معلمین کی وضع کردہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دین (پرویزیہ) نظامِ خلق کو پیش کرتا ہے۔ اور مذہب اس ضابطہ اخلاق کو جو ہر جگہ یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ (اسباب زوال امت صفحہ ۸۷-۸۸)

۴۔ اخلاق و اعزاز کا خاتمہ کرنے کے بعد لیتن نے دنیا سے سرمایہ داری کے نظام کو مٹانے کی طرف توجہ دی اور لکھا۔

سرمایہ داری کی غیر مرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں ایک ڈر کی صورت پیدا کر دی ہے جس سے ایک حاکم اعلیٰ کے

تخیل کی بنیاد پڑی۔ اسے انسان نے خدا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ سو جب تک خدا کا تخیل ذہنِ انسانی سے فنا نہ کر دیا جائے۔ یہ (سرمایہ داری کی) لعنت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی۔ (ہیمر اینڈ سکل از مارک پیٹرک)

مسٹر پرویز نے اپنے آقا و مرشد کی تائید ان الفاظ میں کی:۔
یہ حالت مسلمان سرمایہ داروں کی ہے (کہ) یہ لوگ دوسروں کا خون چوس کر خود امیر بنتے اور انہیں غریب و محتاج بنا دیتے ہیں اور پھر عید و شب برات پر ان کی طرف خیرات کے چند پیسے پھینک کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اس کارِ ثواب سے ان کی عاقبت سنور جائے گی۔ (قرآنی فیصلے ص۴۸)

بعض مقامی اور ہنگامی حوادث کے لئے غریبوں اور محتاجوں کی جماعت کا مستقل وجود اور پھر ان کی طرف خیرات کے ٹکڑے پھینک کر اسے اپنے لئے ثواب کا کام تصور کرنا۔ اسلامی نظام میں بار نہیں پا سکتا۔ یہ سرمایہ داری نظام کا فریب نگاہ ہے۔ جسے مذہبی تقدیس کے خوش آئند غلاف میں چھپایا جا رہا ہے ..... یہ سب سرمایہ داری کے ملعون نظام کی بدولت ہے جو ہمارے ہاں ہر جگہ رائج ہے اور جسے بدلنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ (قرآنی فیصلے ص۴۹)

۵۔ مارکس نے اپنے نظامِ حیات کی بنیاد جس معاشی نظام پر رکھی

تھی لینن نے اسے اپنانے کے بعد اسے ساری دنیا میں نافذ کرنے کیلئے نظام اشتراکیت قائم کیا۔ جس کا مقصد بالفاظ اسسٹنٹ سکرٹری بہار سوشلسٹ پارٹی یہ ہے:۔

سوال یہ ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں؟ جو کچھ چاہتے ہیں وہ صاف ہے:۔
روٹی اور بیٹی

(مدینہ جوبلی نمبر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۱)

چنانچہ مسٹر پرویز نے "عزت کی روٹی" کے زیر عنوان لینن کے نظام اشتراکیت کی تائید کرتے ہوئے جو مقالہ لکھا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی "رہنمائی" کے لئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

دنیاوی زندگی میں سامانِ زیست کی فراوانی اور بے خوفی ہی شایانِ شان انسانیت ہے (اسباب زوال امت صفحہ ۲۶)

"بے خوفی" کی شرح آپ ذرا خود ان کے اپنے ہی الفاظ میں سنیں:۔

دنیا میں عزت کی زندگی جس میں سامانِ زیست کی فراوانی ہو۔ اور اس کے لئے کسی بالادست قوت کا خوف انگیز نہ ہو۔ انسانیت کے شایانِ شان زندگی ہے۔ بھوک اور خوف کی زندگی خدا کا عذاب ہے (اسباب زوال امت صفحہ ۲۴)

لہ اس کی مزید تفصیل آپ کو میری کتاب "مشاہدات و واردات" میں "کمیونسٹوں کی جنت" کے زیر عنوان ملے گی۔

چنانچہ اسی معاشی خوشحالی کو جو نظامِ اشتراکیت کی روح ہے مسٹر پرویز "فضل" سے تعبیر کرتے ہیں:۔

"قرآن میں فضل کا لفظ معاشی خوشحالیوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (اسباب زوال امت ص۱۴۶)

گویا دین پرویز میں صاحب عزت وہی ہے جس کے پاس سامانِ عیش و آرام کی فراوانی ہو اور جس کے دل میں خوف خدا نام کو نہ ہو۔

۴۔ دنیوی زندگی کے متعلق لینن و پرویز کی یگانگت ملاحظہ کرنے کے بعد اُخروی زندگی کے متعلق بھی ان کا ہم خیال ہونا ملاحظہ فرمائیں۔ ماسکو یونیورسٹی کے پروفیسر "جولیس ہیکر" نے لینن کے نظام اشتراکیت کی تائید میں جو کتاب "ریلیجن انڈر دی سویٹ" کے نام سے لکھی ہے اس میں اس نے اشتراکیوں کے آخرت کے متعلق نظریہ کی یوں وضاحت کی ہے۔

"ان کے نزدیک زندگی صرف اسی دنیا کی ہے۔ اس کے بعد پھر وہ کسی اُخروی زندگی کے قائل نہیں۔ ان خیالات کی نشر و اشاعت کے لئے ان کی سوسائٹیاں قائم ہیں جنہیں جمعیتِ منکرین خدا کہا جاتا ہے۔ ان جماعتوں کو اشتراکی پارٹی کی پوری امداد حاصل ہے۔"

اور یہی تعلیم مسٹر پرویز نے لیے ہیں۔ وہ دنیا و آخرت اور جنت و جہنم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

متاعِ دنیا سے مفہوم ہوتا ہے۔ وہ مفاد جو انسان صرف اپنی ذات کے لئے تلاش کرتا ہے اور سامانِ آخرت سے منصود ہوتا ہے وہ متاع جسے وہ آنے والی نسلوں کے لئے جمع کرتا ہے۔ (اسباب زوال امت صد ۲۹)

چونکہ مسٹر پرویز کے ہاں کوئی اخروی دارالجزا نہیں ہے اسلئے جنت و جہنم کی یوں تعبیر کرتے ہیں :-

سلسلۂ ارتقا میں آگے بڑھ جانا جنت کی زندگی ہے نشوونما کی صلاحیت کے سلب کر چکنے کے بعد سلسلۂ ارتقا میں رک جانے کا نام جہنم کا عذاب ہے .... اسلئے جنت یا جہنم کسی خاص مقام کا نام نہیں۔ کیفیاتِ زندگی کی تعبیر ہے۔
(طلوعِ اسلام اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۶، ۲۷)

"دینِ لینن و پرویز" کی یگانگت کے ان چند شواہد سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ پرویز اینڈ کو کا "ایمان" ان کے "بیان" سے کتنا مختلف ہے آپ کو اس تضاد بیانی پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ "دینِ لینن و پرویز" کے اخلاق و شریعت کی بنیاد ہی دھوکا اور فریب پر رکھی گئی ہے جیسا کہ خود لینن کے اس بیان سے واضح ہے :-

اشتراکین کا اخلاق و شریعت صرف اس قدر ہے کہ ڈکیٹر کی قوت و سطوت کا استحکام و استبقا کس صورت سے ہو سکتا ہے؛ اس کے خلاف جو کچھ ہے سب ناجائز ہے چنانچہ

جماعتی مفاد کی خاطر جرائم کا ارتکاب دروغ بافی۔ فریب دہی عین حق و صداقت ہے۔ بلکہ معاندین کے خلاف کذب و افترا ہی بعض اوقات سب سے اہم حربے ہوتے ہیں"

(لینن اینڈ گاندھی)

ایک دوسرے موقعہ پر اس نے یوں کہا:۔

"قدیم اجتماعی نظام کی بیخ کنی اور محنت کش عوام کو یکجا کرنے کے لیئے ہر چیز اخلاقاً درست ہے۔ جب ہم اپنے دشمنوں سے لڑیں گے تو اس لڑائی میں جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیاروں کا استعمال کرنا ناگزیر ہوگا"

(اسلام اور اشتراکیت ص۲۲)

گویا "دین لینن و پرویز" کا اخلاق اور شریعت ہی کذب و افترا اور مکر و فریب ہے۔ جو "طلوع اسلام" کے لٹریچر کی روح ہے۔

اب ذرا ان کے ہاں جائز و ناجائز کا اصول بھی ملاحظہ فرمادیں:۔

"جو کچھ جماعتی جد و جہد کی تائید میں ہو۔ عین حلال و درست اور جو اس کے راستہ میں مزاحمت کرتا ہو۔ حرام و ناجائز"

(اے۔ بی۔ سی آف کمیونزم مصنفہ بیورڈ ہربرٹ اننسکی)

اس لیئے مسٹر پرویز نے حلال و حرام کا حق مرکز ملت کو تفویض کرنے کے لیئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا کہ:۔

"قرآن تو رسولؐ کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی شے کو حرام

قرار دیدے۔ (اسباب زوال امت صفحہ ۸)

یہ مسٹر پرویز کا سب سے بڑا کذب و افترا ہے۔ جس پر کسی دوسری فرصت میں روشنی ڈالی جائے گی۔ بہرحال "دینِ لینن و پرویز" کے اس اصول کو صرف اس امر کی نشاندہی کے لئے ہدیہ قارئین کرام کیا گیا ہے کہ پرویز اینڈ کو نے ابطالِ حدیث کی مہم کی بنیاد بھی اس اصول پر رکھی ہے۔ سرمایہ حدیث میں سے جو حدیث ان کی "بصیرت" کے مطابق ان کی جماعتی جدوجہد میں معاون ہو سکتی ہے۔ اسے وہ انکار حدیث کے باوجود پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ تمام سرمایہ حدیث دین نہیں۔ تاریخ ہے یقینی نہیں ظنی ہے۔ صحیح نہیں۔ وضعی ہے۔

مسٹر پرویز کا تمام دجل و فریب ان تین لفظوں کے پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ جس کی بھول بھلیوں میں وہ مسلمان کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن۔ دین۔ ناسخ

"دینِ پرویز" کو سمجھنے کے لئے یہ معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔ کہ مسٹر پرویز نے اپنے مضامین میں ان الفاظ کو کن معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

ا۔ مسٹر پرویز نے قرآن کی آیات کا دو طرح استعمال کیا ہے۔

الف۔ مسٹر پرویز نے اپنی "بصیرت" کے مطابق قرآن کی معنوی تحریف کے ذریعہ اس کا جو مفہوم متعین کیا ہے۔ وہ امورِ دینِ مصطفوی کو س

کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اور جو امور ان کے خود ساختہ مفہوم پر پورے نہیں اترتے۔ ان کو وہ غیر قرآنی قرار دیتے ہیں۔ جیسے نماز۔ مذہب اخلاق وغیرہ۔

ب۔ قرآن کریم کی آیات کا غلط استعمال اور اطلاق کرتے ہیں۔ مثلاً جو آیات غیر مسلموں اور جہنمیوں کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ ان کو وہ مسلمین مومنین پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے مقالہ اسباب زوال امت سے صاف ظاہر ہے۔

۲۔ دین کو مذہب سے مسٹر پرویز اس طرح جدا کرتے ہیں۔

"میری تحریروں میں دین اور مذہب کے الگ الگ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ دین اس ضابطۂ زندگی کا نام ہے جسے قرآن نے متعین کیا ہے اور مذہب ان عقائد و رسوم کا نام ہے۔ جو ہم میں مروج ہیں۔ (اسلامی نظام صفحہ ۲۶)

یعنی مسٹر پرویز کے نزدیک "اصل اور قابل عمل دین" وہی ہے جس کی بنیاد انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف۔ اطاعت رسول سے انحراف احادیث نبوی کے انکار اور تقلید سلف سے گریز پر رکھی ہے۔ اور اس طرح انہوں نے "دین پرویز" کو "دین مصطفوی" سے الگ کر کے دین مصطفوی کو مذہب قرار دیا ہے۔ اور اس کے ارکان نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کو رسوم۔

۳۔ یعنی مسٹر پرویز کے نزدیک "مذہب" سے وہ اسلام مراد ہے۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جس پر پورے چودہ سو سال سے جمہور مسلمین عمل پیرا ہیں اور جسے مسٹر پرویز ایک "جسدِ بے جان" اور "لاش" قرار دیتے ہیں۔

جب آپ مسٹر پرویز کی ان تعبیرات کو ذہن نشین کر کے ان کے لٹریچر کا مطالعہ کریں گے۔ تو آپ پر "دینِ اینٹ و پرویز" کی یگانگت کے اسرار خود بخود کھلتے چلے جائیں گے۔

علامہ اقبالؒ پہ بہتان

حکیم الامت، ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ دنیا کی ان شخصیتوں میں سے تھے۔ جنہوں نے فکر کی بلندی اور بصیرت کی گہرائی قرآن و حدیث سے حاصل کی تھی۔ اسلئے ان کا خطاب اور پیغام مخصوص طبقوں یا علاقوں کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ تمام عالم انسانیت کیلئے تھا۔ اور انہیں جو عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ ان کی شاعری کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اس نورِ باطن کی وجہ سے ہوئی جو انہوں نے قرآن و حدیث سے حاصل کیا۔ اور جس کی وجہ سے انہوں نے زندۂ جاوید شعرا سعدیؒ حافظ۔ رومی اور جامی کی صف میں جگہ پائی۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات اور نظریات بھی ہمہ گیر ہیں۔ اس کے جن جن مفکرین و مدبرین نے نورِ نبوت سے روشنی حاصل کر کے تعلیماتِ اسلام کی شرح و تفسیر کی ہے۔ وہ علیٰ حالہٖ قائم و دائم ہے۔ اسے بقا، دوام حاصل ہے اور ہر دور کے متلاشیانِ حق ان کے نظریات اور تشریح و تعبیر سے استفادہ کرتے رہتے ہیں علامہ اقبالؒ بھی انہی مفکرینِ اسلام میں سے ہیں جنہیں پرویز اینڈ کو اپنے وقت کی

اتھارٹی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ جب ان کے آرگن طلوعِ اسلام کا دورِ جدید شروع ہوا تو پرویز اینڈ کو نے اظہارِ عقیدت اور اعترافِ شخصیت کے طور پر نہ صرف اس رسالہ کو ان کی یادگار قرار دیا۔ بلکہ اس کے سرورق پر ان کی تصویر بھی بالالتزام چھاپتے رہے۔ جس کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوتی تھی۔

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ

مزید براں اس کے ہر شمارہ میں ان کی کوئی نہ کوئی نظم۔ رباعی یا قطعہ جلی قلم سے شائع کیا جاتا۔ اور بات بات پر ان کے اشعار سے استنباط کیا جاتا۔ اور انہیں بطور روشن لنگ پیش کیا جاتا۔ اور وہ اب تک بھی ان کے اشعار سے اپنے مضامین کو زینت دیتے رہتے ہیں اس طرح انہوں نے دنیا پر یہ ظاہر کیا کہ ہم علامہ اقبال کے مقلد ہیں اور یہ رسالہ ان کے نظریات کا آئینہ دار۔

علامہ اقبال کے نام۔ کام۔ پیغام اور اس کی تصویر کی آڑ میں ان "اقبال دشمنوں" نے نہ صرف ان کے معتقدین کو بلکہ جمہور مسلمین کو اپنی تزئین شیطانی سے گمراہ کرنا شروع کیا۔ بلکہ علامہ اقبال کو بھی بدنام کرنا شروع کر دیا کہ خدانخواستہ وہ بھی ان کے ہم عقیدہ تھے اور حدیث پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے نام اور تصویر کے پس پردہ اس قسم کے مضامین شائع ہو رہے تھے۔ جن کا مقصد قرآن کی معنوی تحریف اور حدیث کا ابطال تھا۔ حالانکہ علامہ اقبال عاشقانِ رسول میں سے

تھے۔ ان کا نہ صرف اپنا عمل حدیث پر تھا۔ بلکہ انہوں نے مختلف احادیث کے مضمون کو اپنے اشعار میں بیان کر کے لوگوں کو ان کی اہمیت وافادیت کا احساس وشعور دلایا تھا۔ مگر بانیہمہ پرویز اینڈ کو نے انہیں اپنے صحیفہ مقام حدیث جلد ا ص۲۵۶ پر منکریان حدیث کے زمرہ میں شمار کیا۔ اسلیئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس معاملہ میں علامہ اقبال کی پاکدامنی پر روشنی ڈالی جائے۔ کیونکہ آج وہ ہم میں موجود نہیں۔ ورنہ وہ خود پرویز اینڈ کو کو ایسے ناک چنے چبواتے کہ ان کی ذریت ضالہ بھی اس سے پناہ مانگتی۔ افسوس کہ "اقبال پرستوں" نے بھی "حق پرستش" ادا نہیں کیا ہے۔ حالانکہ آئے دن یوم اقبال منائے جا رہے ہیں۔ اس پر مقالے پڑھے جا رہے ہیں۔ مگر کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی پاکدامنی پر جسے انکے یہ برائے نام "نام لیوا" داغدار کر رہے ہیں اس کے اپنے .... قول وکردار سے روشنی ڈالیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اقبال پرستوں کی اکثریت اس کی عارف باللہ کی حیثیت سے عزت نہیں کرتی۔ بلکہ محض ایک شاعر کی حیثیت سے عزت کرتی ہے وہ محض "گفتار کے غازی" ہیں۔ "کردار کے غازی نہیں"۔ اسلئے وہ اقبال کو بھی "پرویزی عینک" سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔

اس سلسلہ میں جناب مولانا عبدالمجید صاحب صدیقی (کراچی) مستحق صد تحسین وآفرین ہیں کہ انہوں نے علامہ اقبال کی صفائی میں پیش قدمی کی اور ان پر بہت بڑا احسان کیا کہ انہوں نے محنت وکاوش

سے علامہ اقبال کے کلام سے ان اشعار کو انتخاب کر کے شائع
کیا۔ جن میں مضامین احادیث بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے میں
اس کتاب کا خاتمہ ان کے مضمون "علامہ اقبال اور حدیث نبوی" جو
"الصدیق" ملتان کے صحابہ نمبر بر ائے ماہ محرم و صفر ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا ہے کے
مندرجہ ذیل اقتباس پر کرتا ہوں۔ جس سے ان آئمہ ضلالت و تلبیس کی
سیسہ کاری۔ عیاری و مکاری صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ اپنی سحر
بیانی و تزئین شیطانی سے کس طرح ایک مومن کو کافر بنا دیتے ہیں :۔
آپ کے سامنے علامہ اقبال کے کلام سے عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم
میں ڈوبے ہوئے اور عطر محبت رسول میں بسے ہوئے وہ اشعار پیش
کئے جاتے ہیں۔ جن کا پس منظر آنحضور کی مختلف حدیثوں سے جگمگا رہا ہے

بنگری با دیدۂ صدیق اگر — معنی حب ِ فہم کنی تحقیق اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبی — از خدا محبوب تر گردد نبی
در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ است — آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است
در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم — تا بہ تخت خسروی خوابید قوم
وقت ہیجا تیغ او آہن گداز — دیدۂ او اشکبار اندر نماز
بوریا ممنون خواب راحتش — تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در دعائے نصرت آمین تیغ او — قاطع نسل سلاطین تیغ او
برقبائے کہنہ چاک از دست او — قیصر و کسریٰ ہلاک از دست او

حدیث۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ وولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔ اوکما قال تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب میں اس کی جان، اولاد، ماں، باپ اور سب سے پیارا نہ ہو جاؤں۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است الخ

حدیث۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کاشانہ نبوت میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضورِ انورؐ ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور بوریئے کے نشان جسدِ مبارک پر نمایاں ہیں۔ یہ دردناک نظارہ دیکھ کر حضرت عمر جیسے سخت کوش انسان میں تابِ ضبط نہ رہی اور رونے لگے۔ عرض کیا یارسول اللہ قیصر و کسریٰ تو دنیا کی راحت و آرام کے مزے لیں۔ اور حضور دونوں جہاں کے سردار ایسی تکلیف میں گزارہ کریں۔ فرمایا اے عمرؓ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ وہ دنیا میں اور ہم آخرت میں آرام اٹھائیں

"بوریا ممنونِ خوابِ راحتش"

حدیث۔ حضور نے فرمایا۔ جب کسریٰ ہلاک ہوگا۔ تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا۔ اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر قیصر نہ ہوگا۔ اور ان کے خزانے تم مسلمانوں میں تقسیم کردگے۔

اب علامہ کے یہ اشعار پڑھئے اور لطف اُٹھائیے ؎

در دعائے نصرت آمین تیغ او | قاطع نسل سلاطین تیغ او
برقبائے کہنہ چاک از دست او | قیصر و کسریٰ ہلاک از دست او

واضح ہو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جب بادشاہوں اور حاکموں کو فرمان لکھ کر دعوتِ اسلام دی۔ تو اکثر بادشاہوں اور حاکموں نے حضور کے فرمان کی عزت کی اور ادب و تعظیم سے جواب بھیجے لیکن ایران کا بادشاہ جس کا نام خسرو پرویز اور لقب کسریٰ تھا، گستاخی سے پیش آیا اور اس شقی ازلی نے حضور کے نامہ مبارک کو پارہ پارہ کر دیا اور حضور کی گرفتاری کا حکم جاری کرنے کی جرأت کی یہ اطلاع جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور نے زبان حق ترجمان سے فرمایا کہ جس طرح خسرو پرویز نے میرا خط پھاڑ ڈالا، اسی طرح عنقریب اس کی سلطنت ٹکڑے ہو جائے گی۔ چند ہی سال میں ایران مسلمانوں کے دست تصرف میں آیا اور ایران کی شاہی دولت حضرت خلیفہ دوم امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں پہنچی اور حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے سونے کے کنگن سراقہ بن مالک جعشم کے ہاتھوں میں پہنا کر آنحضور صلعم کی پیشنگوئی کا عملی اظہار کیا۔

ع تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمّتش

حیرت کی بات ہے کہ اس زمانے میں جو شخص قرآن کا اتنا بڑا مداح ہونے کا دعویٰ کرے وہ صاحبِ قرآن کی شخصیت کو محض ایک وقتی پیغام رساں سے زیادہ حیثیت دینا تسلیم نہ کرے اور اسی مکروہ نام کو اپنے سینے سے لگائے پھرے جس نے فرمانِ رسولؐ کو پھاڑ ڈالا تھا۔ اور جس ... عجمی سازش کا ڈھول پیٹنے والے کو دوسروں کی آنکھ کا تنکا

تو نظر آ جائے لیکن عجمی لعنت "پرویز" کا یہ شہتیر اپنی آنکھ میں نظر نہ آئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مصحف قرآن صامت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود قرآن ناطق ہے۔ چونکہ یہ مضمون علامہ اقبال کی شاعری سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا اس پہ علامہ کے کلام سے ہی دلیل شاعرانہ پیش کی جاتی ہے ؎

وہ دانائے سُبُل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یاسین وہی طاہا (بال جبریل)

غزوہ بدر میں جب تین سو تیرہ مجاہدین فی سبیل اللہ ایک ہزار کفار و مشرکین مکہ کے مقابل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھپر میں بارگاہ رب العزت میں سربسجود تھے اور بار بار مقام ناز و نیاز میں عرض کر رہے تھے کہ یا الٰہ العالمین اگر حق پرستوں کا یہ چھوٹا سا گروہ آج مغلوب ہو گیا۔ تو قیامت تک تیرے نام کی عظمت کا اعلان کرنے والا نہ رہے گا۔ آپ جوش عقیدت و آرزومندی سے بے حال ہوئے جا رہے تھے اور اٹھتے جاتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ آپ کو بار بار تسلی دیئے جا رہے تھے کہ وحی نازل ہوئی۔

کفار کی جمعیت کو شکست ہو گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز دیدۂ او اشکبار اندر نماز

حدیث اذکاسب حبیب اللہ کا رکن اللہ کا دوست ہے ؂

آنکہ خاشاک بتان کعبہ رفت مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

معجزہ شق القمر کے متعلق قرآن مجید میں سورہ قمر موجود ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر جس کی مزید تفصیلات احادیث میں پائی جاتی ہیں غالباً اوارہ طلوع اسلام تو ایسے معجزات کا یا تو انکار کریگا یا تاویل کر کے قرآن کو پاژند بنا دیگا۔ لیکن علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؂

پنجۂ او پنجۂ حق می شود ماہ از انگشت او شق می شود

حدیث مشہور حدیث ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) کلمہ شہادت (۲) پنجگانہ نماز (۳) صوم رمضان (۴) ادائے زکوٰۃ اور (۵) حج بیت اللہ

علامہ فرماتے ہیں ؂

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز قلب مسلم را حج اصغر نماز

در کفِ مسلم مثال خنجر است قاتل فحشا و بغی و منکر است

روزہ بر جوع و عطش شبخون زند خیبر تن پروری را بشکند

مومناں را فطرت آموز است حج ہجرت آموز و وطن سوز است حج

حب دنیا را فنا سازد زکوٰۃ ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ

حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے اور آفتاب غروب ہو گیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے اپنی نماز عصر ادا نہیں کی تھی جب آپ بیدار

ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری نماز عصر قضا ہو گئی اور میں نے آپ کی استراحت میں خلل ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ ارشاد فرمایا۔ سورج پھر بلند ہو رہا ہے۔ تم اپنی نماز ادا کر لو۔

معلوم نہیں ادارہ طلوع اسلام اس غروب و طلوع کے متعلق علامہ اقبال بلکہ ملا اقبال کے اس شعر کی کیا تاویل کرے گا ؎

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب ۔۔۔ باز گرداند ز مغرب آفتاب

مشہور حدیث لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کسی بڑے فرشتے اور نبی مرسل کی وہاں رسائی نہیں ہوتی۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

تا کجا در روز و شب باشی اسیر ۔۔۔ رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر

زندگی از دہر و دہر از زندگی است ۔۔۔ لاتسبوا الدھر فرمان نبی است

حرز جاں گفتۂ خیر البشر ۔۔۔ ہمت شیطاں از جماعت دور تر

حدیث الجنۃ تحت ظلال السیوف جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ علامہ اقبال تلوار کے ذکر میں فرماتے ہیں ؎

آتش قہر خدا سرمایہ ات ۔۔۔ جنت الفردوس زیر سایہ ات

حدیث۔ الجنۃ تحت اقدام امھاتکم جنت تمہاری ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے ؎

گفت آں مقصود حرف کن فکاں ۔۔۔ زیر پائے امہات آید جناں

حدیث۔ الصلوٰۃ معراج المومنین نماز مومنوں کی معراج ہے۔
علامہ حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمتہ کے قصے میں فرماتے ہیں۔
باز سوئے حق رمید آں ناصبور   بود معراجش نماز با حضور

حدیث۔ اللہ تعالےٰ نے روئے زمین کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔
تا ز بخشش ہائے آں سلطانِ دیں   مسجد ما شد ہمہ روئے زمیں

حدیث۔ حضور نے ارشاد فرمایا تمہاری دنیا میں مجھ کو خوشبو اور عورت محبوب ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ علامہ عورت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎
آنکہ ناز د بر وجودش کائنات   ذکر او فرمود با طیب و صلوٰۃ

حدیث۔ من رانی فقد رأی الحق جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا ؎

بچشم من نگہہ آوردہ تست   فروغ لا الہ آوردہ تست
دوچارم کن بہ صبح من رانی   شبم را تاب مہ آوردہ تست

حدیث۔ الفقر فخری والفقر منی
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست   ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ است

حدیث۔ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔
آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست   چشم او ینظر بنور اللہ نیست

حدیث۔ نعم المال الصالح للرجل الصالح
نکتہ ہا از پیر رومم آموختم   خویش را در حرف او وا سوختم

مال را گر بہر دیں باشی حمول	نعم مال صالح گوید رسول

حدیث۔ اَمَنُّ الناس علی فی صحبتہٖ و مالہٖ ابوبکر

من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب	گل ز خاکِ راہ او چیدم بخواب
آں امن الناس بر مولائے ما	آں کلیم اول سینائے ما

ہمارے زمانے میں پنجاب میں ایک ظلی بروزی جعلی نبی پیدا ہوا اور اس نے قرآن مجید کی ایک آیت خاتم النبیین کی تاویل کر کے قرآن کو ایسا بازیچہ بنایا کہ اپنے زعم باطل میں ہر کس و ناکس کے لئے نبوت کا دروازہ کھول دیا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

سیکون من امتی ثلاثون کذابون دجالون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لانبی بعدی۔

میری امت میں عنقریب تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں آگاہ رہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

علامہ اقبال رموز بے خودی میں فرماتے ہیں ؎

پس خدا برما شریعت ختم کرد	بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را	او رسل را ختم و ما اقوام را
لانبی بعدی ز احسان خداست	پردۂ ناموس دینِ مصطفیٰ است
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست	تا ابد اسلام را شیرازہ بست
دل ز غیر اللہ مسلماں برکند	نعرۂ لاقوم بعدی می زند

مندرجہ بالا اشعار سے علامہ اقبال کا عشق حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ظاہر ہے۔ علامہ نے کتاب وسنت اور اقوال بزرگاں سے جابجا اپنے کلام کو زینت دی ہے لیکن اس زمانے کے طلوع اسلام والے مجتہدین جن کی نسبت علامہ کہہ گئے ہیں ؎

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

ایک قرآن مجید کو صرف نام باقی رکھ کر احادیث رسول اور اسوۂ صحابہ سب کو غلط اور ناقابل اعتبار اور عجمی سازش سمجھتے ہیں ؎

کون ہے تارک آئین رسولِ مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار ہوگئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

مندرجہ بالا اشعار کا جواب ہے۔ ادارہ طلوع اسلام جس کو مخاطب کر کے علامہ کی روح کہہ رہی ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است